بسم اللہ الرحمن الرحیم

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین

فقہ اوراصول فقہ کی تعریف، اس عظیم فن کی اہمیت وافادیت، اس میدان میں صحابہ کرام اورتابعین عظام کی خدمات، فقہائے صحابہ اور فقہائے تابعین کے ناموں کی فہرست، ائمہ اربعہ کے حالات زندگی، حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مایہ ناز شاگردوں کا تعارف، ان کی فقہی خدمات نیز آداب افتا کے تعلق سے رہنما خطوط کے ساتھ الاشباہ والنظائر اور رسم المفتی سے چند ضروری اصول مع ترجمہ۔

ریحان الفقہ

محمد راحت خاں قادری

ناشر

المکتب النوری شکارپور چودھری ایئرفورس گیٹ عزت نگر بریلی شریف یوپی انڈیا

پن کوڈ: ۲۴۳۴۰۵

فہرست

عرض مرتب

فراغت کے بعد جب سے مرکز اہلسنت جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف میں تخصص فی الفقہ میں داخلہ لیا فقہائے کرام کے حالات زندگی سے آشنائی ہوئی تبھی سے یہ خواہش دل میں انگڑائی لیتی رہی کہ اس حوالے سے کچھ نہ کچھ خدمت دین کر کے اللہ (عزوجل) ورسول (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) کی رضا وخوشنودی حاصل کروں جو سعادت دارین کا باعث ہو۔

پھر جب داخل نصاب کتابوں کے ذریعہ ذہن وفکر کو روشنی ملی اور ماہر اساتذہ کی تحریض اور جا بجا حضرت مفتی محمد عاقل صاحب قبلہ صدر المدرسین وشیخ الحدیث جامعہ رضویہ منظر اسلام کا طلبہ کو مضمون ومقالہ نگاری کے فوائد اہمیت سے آشنا کرا کر مقالات لکھنے کا حکم دینا کہ جس کے سبب جامعہ میں جداریہ کی شکل میں بہت سے مقالات و مضامین جامعہ کی دیواروں پر آویزاں نظر آتے ہیں اور خصوصا مفتی محمد سلیم صاحب قبلہ بریلوی، مفتی محمد معین الدین خاں صاحب کے مفید مشورے اور تعاون نے دستگیری کی اور میں نے ذہنی خاکہ کو سپرد قرطاس کرنے کے لئے تلاش وجستجو اور فراہمی کتب کا آغاز کیا۔
اسی اثنا میں میرے استاذ گرامی اور نبیرۂ اعلی حضرت صاحب سجادہ حضرت علامہ مولانا محمد سبحان رضا خاں صاحب سبحانی میاں مدظلہ العالی کے مخصوص رفیق ومحبّ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فاروق صاحب فارِقؔ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں معلوم ہوا کہ مرحوم ومغفور ''**ریحان الفقہ**'' نام سے ایک مخصوص کتاب ترتیب دینے کی تیاری میں تھے۔ مگر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات فانی نے وفا نہ کی اور ۲۰ رشعبان المعظم ۱۴۳۲ھ ۲۳ جولائی ۲۰۱۱ء بروز ہفتہ ۲ ربجکر ۵۵ رمنٹ پر آپ دارالافنا کی مصروفیات سے دارالبقا کی طرف منتقل ہو گئے (اناللہ وانا الیہ راجعون) اور آپ کا خواب شرمندۂ تعبیر

نہ ہوسکا۔

کتاب کا نام ریحان الفقہ رکھنا خانوادۂ رضویہ خصوصا حضور ریحان ملت حضرت علامہ مولانا شاہ ریحان رضا خاں رحمانی میاں علیہ الرحمہ سے انتہائی محبت و الفت کی غمازی کررہا تھا اسی بنا پر میرے قلب میں مزید تحریک پیدا ہوئی۔ لہذا صاحب سجادہ قائد ملت مدظلہ العالی اور مفتی محمد فاروق صاحب رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی یادگار قائم رکھنے کے لئے مفتی محمد سلیم صاحب و دیگر اساتذۂ کرام کے مشورہ سے اس کتاب کا نام ریحان الفقہ تجویز کرلیا۔

اس کتاب کے لئے مواد و کتب کی فراہمی میں حضرت علامہ مفتی محمد معین الدین خاں صاحب قبلہ نے بہت رہنمائی فرمائی۔ مولانا مفتی عمار صاحب اور مولانا حسیب صاحب نے بھی کئی اہم کتابیں مجھکو لاکر دیں۔ صالح نگر رام پور روڈ بریلی میں واقع امام احمد رضا اکیڈمی کی کتب سے کثیر استفادہ کیا اکیڈمی کے اندر مختلف عناوین پر کثیر کتابیں موجود ہیں۔ اس اکیڈمی کو قائم کرکے یقیناً حضرت علامہ مفتی محمد حنیف صاحب قبلہ نے عظیم کارنامہ انجام دیا ہے کہ اس اکیڈمی کے زیر اہتمام اب تک اہلسنت والجماعت خصوصا حضور سیدی اعلی حضرت رضی اللہ تعالی عنہ کی بہت سی کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔

اصلاح کی غرض سے مسودہ اساتذہ کی بارگاہ میں پیش کیا حضرت علامہ مفتی محمد سلیم صاحب قبلہ بریلوی نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود چند ایام میں اصلاح و ترمیم کے بعد مسودہ میرے حوالے کردیا۔ حضرت علامہ مفتی محمد عاقل رضوی صاحب قبلہ اور مفتی افروز عالم صاحب قبلہ نے بھی کتاب کے کچھ حصہ کی اصلاح فرمائی۔

اس کتاب کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ میں میرے درجہ تخصص فی الفقہ سے متعلق کچھ کام ایسا بھی تھا کہ اگر جناب امین بھائی بریلوی نے میرا ساتھ نہ دیا ہوتا تو شاید

یہ کتاب اب تک کمپوز نہیں ہو پاتی۔ پروف ریڈنگ کا تقریبا زیادہ بار مولانا محمد عارف صاحب اور مولانا شاہد صاحب کے سر رہا اور کچھ حصہ کی پروف ریڈنگ مولانا طاہر صاحب، مولانا صدام حسین، مولانا عرفان اور مولانا غلام نبی وغیرہ نے کی۔

اس کتاب کی طباعت کا سارا بار میرے ہی کندھوں پر تھا لیکن ایسے وقت میں عالی جناب الحاج انجینئر امجد علی جو کہ ایک دیندار، کوش اخلاق اور ملنسار انسان ہیں، میرے ساتھی حافظ و قاری محمد فراست رضا اور مولانا وسیم اختر صاحب نے کچھ میرا ساتھ دے کر میرے بار کو ہلکا کیا۔ جنہوں نے اس کتاب میں کسی بھی طرح تعاون کیا وہ تمام لوگ میری طرف سے صدہا مبارک باد کے لائق ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

اب کتاب اپنی تمام تر منزلوں کو طے کر کے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تبارک وتعالی میری اس حقیر کاوش کو قبول فرما کر اس کتاب کو اسم با مسمی اور میرے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیه افضل الصلاۃ واکرم التسلیم.

محمد راحت خاں قادری غفرلہ

۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ/ ۶؍ اپریل ۲۰۱۲ بروز جمعہ مبارکہ

Mob.09457919474

E-mail:mrkmqadri@gmail.com

۸۹/۹۲ء

دعائیہ کلمات

نبیرۂ اعلیٰ حضرت، شہزادۂ ریحان ملت حضرت مولانا الحاج سبحان رضا خاں سبحانی میاں دام ظلہ العالی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

فقیر قادری کو مولانا محمد سلیم زید مجدہ کے ذریعہ جب سے یہ معلوم ہوا کہ میرے رفیق و جلیس حضرت مفتی محمد فاروق صاحب قبلہ اپنے مربی ومحسن اور میرے والد گرامی حضرت ریحان ملت علیہ الرحمہ کے نام سے منسوب فقہ اور اصول فقہ کی تعریف، تدوین، تاریخ اور آداب افتا کے تعلق سے ''ریحان الفقہ'' نامی کتاب ترتیب دینے کی تیاری میں لگے ہوئے تھے لیکن افسوس! مفتی صاحب موصوف اچانک ہم سب لوگوں کو سوگوار چھوڑ کر اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ تو تبھی سے میرے دل میں یہ تمنا تھی کہ اے کاش! کوئی میرے اس رفیق کی آخری خواہش کو صفحات قرطاس پر اتار کر اسے الفاظ کا جامہ پہنا دیتا۔

الحمد للہ! آج خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ جب مفتی صاحب موصوف کے ایک لائق شاگرد اور ہمارے جامعہ کے ایک ہونہار طالب علم مولوی محمد راحت سلمہ نے مولانا محمد سلیم زید مجدہ کی تحریک پر اور ان کی نگرانی میں مفتی صاحب کی خواہش کو پورا کرتے ہوئے ''ریحان الفقہ'' نامی اس کتاب کو ترتیب دے کر جہاں اپنے استاذ کی روح کو سکون بخشا ہے وہیں ہمارے جامعہ کے اساتذہ و منتظمین کی آنکھوں کو بھی فرحت بخشی ہے۔ ماشاء اللہ مرتب موصوف نے مختصر لیکن جامع انداز میں فقہ، اصول فقہ اور آداب افتا کے تعلق سے ایسی باتیں جمع کر دی ہیں جو یقیناً فقہ وافتا سے وابستہ افراد کے لئے رہنما خطوط ثابت ہوں گی۔

لائق مبارک باد ہیں ہمارے جامعہ کے تمام اساتذہ جو کافی لگن اور محنت سے نونہالان اسلام کی تربیت کررہے ہیں۔مولیٰ تعالیٰ یادگار رضا جامعہ رضویہ منظر اسلام کو عروج وترقی عطا فرمائے،اسے حاسدین کے حسد سے محفوظ و مامون رکھے،اس کتاب کو قبول عام اوراس کے مرتب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین بجاہ النبی الکریم علیہ افضل الصلوات والتسلیم.

فقیر قادری محمد سبحان رضا خاں سبحانی غفرلہ

سجادہ نشین خانقاہ عالیہ رضویہ بریلی شریف

۱۱/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ/۴/اپریل ۲۰۱۲ء بروز بدھ

اظہار مسرت

نبیرۂ اعلیٰ حضرت شہزادۂ حضور صاحب سجادہ حضرت

مولانا محمد احسن رضا خان قادری

نائب سجادہ نشین درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

حامداً و مصلیاً و مسلماً:

ایک صدی سے زائد عرصہ کو محیط یادگار رضا جامعہ رضویہ منظر اسلام کی دینی و مذہبی وملی اور علمی وفنی خدمات ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا نا قابل فراموش حصہ ہیں۔

منظر اسلام کے طلبہ نے تعلیم وتدریس، تقریر وخطابت، تصنیف وتالیف، دعوت و تبلیغ اور مباحثہ ومناظرہ کے میدان میں ہمیشہ اپنے مادر علمی کا نام روشن کیا ہے۔

ادھر میرے والد حضور صاحب سجادہ (اطال اللہ عمرہ) کی بے پناہ اور مخلصانہ توجہ نیز میرے اجداد کرام کے روحانی تصرفات نے ایک مرتبہ پھر منظر اسلام کو ایک نیا بانکپن عنایت فرمایا ہے۔

اس وقت ہمارے اساتذہ وطلبہ ہمہ وقت تعلیم و تعلم کے جذبہ اور کچھ کر گزرنے کے حوصلے سے سرشار رہتے ہیں جس کی ایک کڑی ''ریحان الفقہ'' نامی یہ کتاب ہے جسے ہمارے جامعہ کے ہونہار طالب علم مولوی محمد راحت زید مجدہ نے ترتیب دیا ہے مولیٰ تعالیٰ اس کتاب سے شائقین فقہ وافتا کے مشام جاں کو معطر فرمائے نیز مولوی محمد راحت منظری اور میرے رفیق حضرت مفتی محمد سلیم صاحب بریلوی کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آخر الذکر نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس کتاب کی تصحیح ونظر ثانی فرما کر اس کو صحیح معنی میں ''ریحان الفقہ'' بنا دیا۔

محمد احسن رضا قادری

۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ

مطابق یکم اپریل ۲۰۱۲ء بروز اتوار۔

تقریظ

جامع معقولات ومنقولات حضرت مولانا مفتی عاقل صاحب قبلہ

رضوی مدظلہ النورانی

رئیس المدرسین وشیخ الحدیث جامعہ رضویہ

منظراسلام بریلی شریف

حیات انسانی کے مختلف گوشوں میں روزانہ نت نئے مسائل جنم لیتے رہتے ہیں جن کا حلت وحرمت، صحت وفساد کے تعلق سے واضح بیان قرآن وحدیث اور اسلاف کے فقہی ذخیرے میں نمایاں نظر نہیں آتا ان کے حل کے لئے قیاس شرعی کی حاجت پیش آتی ہے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ امت مسلمہ کی گردنیں ائمۂ مجتہدین کے عظیم احسان سے ہمیشہ بوجھل رہیں گی جنہوں نے فضل ایزدی تائید غیبی اور اپنی بے پناہ قوتِ اجتہاد کے ذریعہ قرآن وحدیث کے ذخیرے سے ایسے فقہی قواعد وضوابط کا استخراج فرمایا جن کی روشنی میں بالغ نظر علما وفقہا قیامت تک نئے مسائل کا شرعی حل پیش کرتے رہیں گے اور امت مسلمہ جادۂ مستقیم پر گامزن رہے گی۔

ماضی قریب میں اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی نے جدید مسائل کا حل دلائل وشواہد کی جس کثرت کے ساتھ پیش فرمایا اس کی نظیر حال اور ماضی قریب کے علما وفقہا کی تصانیف میں نظر نہیں آتی آپ کی فقہی تحقیقات اور علمی

نوادرات کی تابناک کرنیں فتاوی رضویہ اور دیگر تصانیف میں جابجا کثرت سے نظر آتی ہیں۔

پیش نظر کتاب ''ریحان الفقہ'' انہیں بعض اہم فقہی قواعد و مسائل پر مشتمل ہے جو ہمارے ائمۂ مجتہدین کے فن اجتہاد کا عظیم شاہکار ہیں۔ میں نے اس کتاب کو مختلف مقامات سے پڑھا تو اندازہ ہوا کہ نہایت عرق ریزی اور جانفشانی سے اس کتاب کو ترتیب دے کر عوام و خواص کے لئے یکساں مفید بنانے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس کتاب کے مرتب عزیز القدر مولانا محمد راحت سلمہ تعالی نوجوان عالم دین اور علمی و فقہی ذوق کے حامل اور محنت و جانفشانی کے عادی ہیں۔ ان کے علمی ذوق ہی کا نتیجہ ہے کہ یہ کتاب مرکز اہلسنت جامعہ رضویہ منظر اسلام سے ان کی تخصص فی الفقہ کی دستار کے موقع پر منظر عام پر آرہی ہے۔ دعا ہے کہ مولا تعالی ان کی اس کاوش کو شرف قبول عطا فرمائے اور انہیں دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے اور دینی و ملی خدمات کی مزید توفیق رفیق اور حوصلوں میں استحکام عطا فرمائے۔ آمیــــــن بجاہ نبیہ الکریم علیہ التحیۃ و التسلیم.

فقط بندۂ اثیم

محمد عاقل رضوی

صدر المدرسین جامعہ رضویہ منظر اسلام

سوداگران، بریلی شریف

۱۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ/۴ر اپریل ۲۰۱۲ء بروز بدھ

تقریظ

استاذ گرامی حضرت مولانا **مفتی محمد سلیم صاحب** قبلہ مدظلہ النورانی

شیخ الأدب جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

حامداً و مصلیاً و مسلماً:

نومبر ۲۰۰۸ء میں یادگار رضا جامعہ رضویہ منظر اسلام کے شعبۂ تدریس سے متعلق ہونے کے بعد ہی سے دوران تدریس میری یہ کوشش رہتی ہے کہ طلبہ کے اندر تعلیم و تعلم کے ساتھ تصنیف و تالیف اور مضمون نگاری کے جذبہ کو بھی مہمیز کروں۔ چنانچہ اس سلسلے میں وقتاً فوقتاً ان کو برانگیختہ کرنے کے ساتھ ان کے لئے موضوع اور موضوع سے متعلق مواد کی تعیین بھی کرتا رہتا ہوں۔

الحمدللہ اس وقت ہمارے جامعہ کے طلبہ میں حصول علم کے ساتھ مضمون نگاری اور تصنیف و تالیف کا جذبہ بھی شباب پر ہے جس کی واضح مثال ''ریحان الفقہ'' نامی یہ کتاب ہے۔ جسے ہمارے جامعہ کے ''شعبۂ تخصص فی الفقہ سال دوم'' میں زیر تعلیم ایک طالب علم ''مولوی محمد راحت سلمہ'' نے ترتیب دیا ہے۔ مرتب موصوف ایک باصلاحیت فاضل ہونے کے ساتھ عمدہ قلم کار بھی ہے۔ چنانچہ جب انہوں نے مجھ سے اس سلسلے میں اپنی خواہش کا اظہار کیا تو کچھ ضروری اور مفید مشورے دے کر ان کی حوصلہ افزائی کی۔

کچھ دنوں کے بعد مولانا موصوف جب اس کتاب کو مرتب کر کے بغرض تصحیح میرے پاس لائے تو بے پناہ مصروفیت کے باوجود پہلے تو بالاستیعاب اس

کا مطالعہ کیا اور پھر تقریباً ۳/روز میں کچھ حذف واضافہ کے بعد مسودہ ان کے حوالہ کردیا۔اب مرحلہ آیا اس کتاب کے نام کا تو اچانک پردۂ خیال پر اس مشفق وکرم فرما کا باتبسم رخ زیبا ابھر آیا جسے مفتی محمد فاروق صاحب کے نام سے دنیا جانتی ہے۔بی بی جی مسجد کا صحن ہے،بعد نماز مغرب کا وقت ہے،میں اور مفتی صاحب جامعہ کے نظام تعلیم اور اس کے عروج وارتقا کے سلسلے میں محو گفتگو ہیں کہ اچانک مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا !بہت جلد ریحان الفقہ نامی کتاب سے آپ کی آنکھوں کو فرحت ونور بخشوں گا۔

یہ خیال آنا تھا کہ میں نے فوراً ہی اس کتاب کا نام ''ریحان الفقہ'' تجویز کردیا تاکہ یہ کتاب مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں ان کے ایک ہونہار شاگرد کا تحفہ محبت بھی بن جائے اور حضرت ریحان ملت علیہ الرحمہ کہ جن کی منظر اسلام کے تئیں خدمات ناقابل فراموش ہیں ان کے نام نامی کی طرف اس کا بجا انتساب بھی ہوجائے۔

یہ کتاب دراصل آداب افتا کے تعلق سے ارباب افتا خاص کر علم افتا کے طلبہ کے لئے ترتیب دی گئی ہے جس میں اولاً فقہ اور اصول فقہ کی تعریف،اس عظیم فن کی اہمیت وافادیت ،اس میدان میں صحابہ کرام اور تابعین عظام کی خدمات ،فقہائے صحابہ اور فقہائے تابعین کے ناموں کی فہرست ،ائمہ اربعہ کے حالات زندگی ،ان کی فقہی خدمات ،حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مایہ ناز شاگردوں کا تعارف، ان کی فقہی خدمات نیز آداب افتا کے تعلق سے رہنما خطوط کے ساتھ الاشباہ والنظائر اور رسم المفتی سے چند ضروری اصول مع ترجمہ مختصر اور جامع انداز میں جمع کئے ہیں امید ہے کہ اہل علم اور ارباب افتا اس مختصر سے مجموعہ کو پسند فرمائیں گے۔نیز اسے ایک طالب علم کی ابتدائی کوشش کی نظر ہی سے دیکھیں گے ۔ اپنی ذاتی محفلوں میں تنقیصاً ہدف تنقید بنانے کے بجائے مرتب موصوف پر کرم فرماتے ہوئے براہ راست

غلطیوں کی نشاندہی فرمائیں گے اور اپنے مفید مشوروں سے نوازیں گے۔ مولیٰ تعالیٰ جامعہ رضویہ منظر اسلام کے طلبہ کو مزید دینی و مسلکی، مذہبی و ملی اور تصنیفی و تالیفی خدمات انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد سلیم بریلوی

خادم جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ/ ۴/ اپریل ۲۰۱۲ء بروز بدھ

تقریظ

حضرت علامہ مولانا **مفتی محمد افروز عالم صاحب** قبلہ نوری

شیخ التدریس والافتاجامعہ رضویہ منظراسلام بریلی شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لک الحمدیا اللہ والصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ وعلیٰ اٰلک و اصحابک یا رسول اللہ

عزیزالقدرمولانا مفتی محمدراحت خاں سلمہ الباری کی تالیف ''ریحان الفقہ'' کو جستہ جستہ پڑھاماشاءاللہ تعالیٰ اچھاپایافقیر نے کچھ اصلاحات وترمیمات بھی کیں کتاب اچھی ہے مولانا موصوف نے اس میں فقہی قواعد کی توضیح اورفتویٰ نویسی پر کافی معلومات پیش کی ہے یہ کتاب اہل علم وافتاء کے لئے مفید ومعاون ثابت ہوگی۔خدائے پاک مولانا کوروز بروزعلمی وعملی ترقیاں بخشے اوران کی اس تحریر کومقبول عام وخاص فرمائے اٰمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ واٰلہ اجمعین۔

فقط دعا گو:محمدافروز عالم نوری

خادم تدریس وافتاءجامعہ رضویہ منظراسلام بریلی شریف

۱۰ جمادی الاولیٰ [۱۴۳۳ھ]

تقریظ

حضرت مولانا مفتی سید کفیل احمد صاحب دارالافتا جامعہ رضویہ
منظر اسلام بریلی شریف

قانون اسلام؛ ارشاد خداوندی ہے" لقد ارسلنا رسلنا با لبینات و انزلنامعھم با لکتاب و المیزان لیقوم الناس بالقسط"

آیت کریمہ میں کتاب قرآن کریم کو میزان عدل قرار دیا گیا اس پر عمل اور اس کے افکار ونظریات کو عملی زندگی میں جاری وساری کرنے کی وجہ یہ قرار دی گئی ہے کہ انسان انصاف توازن کی زندگی بسر کر سکے تا کے اسے رضاء الٰہی حاصل ہو۔خود رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن کی زندگی کا ہر لمحہ کتاب اللہ کی شرح وتفسیر ہے ارشاد فرمایا ہے کہ"میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں،جن کے بعد تم گمراہ نہ ہوسکو گے قرآن اور اہل بیت"(اور بعض نے سنت مراد لیا ہے)فقہائے کرام علما اسلام نے ان دو چیزوں سے عطر کشید فرمایا ہے اسے مختصر تین لفظوں میں علم فقہ،علم کلام اور تصوف سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔اسلام انسانی زندگی کو مکمل طور پر جس امن وسکون سے ہمکنار کرنا چاہتا ہے اس کے ہمہ گیر تصرف کے اعتبار سے یہ تینوں چیزیں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں بلکہ اس امن وسکون کے لئے ان سب کی ضرورت بالکل یکساں ہے،تصوف سے وہ علم مراد ہے جس کی روشنی میں انسان کے اخلاق باطنی اور ظاہری کی تطہیر کا کام لیا جاتا ہے۔علم کلام دراصل انسانی عقائد وافکار اور ان کی صحت

وسقم کی رہبری کرتا ہے۔اور علم فقہ سے انسان اعمال ومعاملات کے احتساب کا کام لیا جاتا ہے انسانی زندگی میں ان سب پہلوؤں کی کامل ضرورت ہے اگر عقائد وافکار کی رہبری میں کوتاہی ہے تو انسان کا ضمیر ایک دائمی اضطراب کا شکار ہوجاتا ہے، علم فقہ کو دور حاضر کی اصطلاح میں قانون اسلام کا نام دیا گیا ہے صدرالشریعہ نے متقدمین سے جو فقہ کی تعریف نقل کی ہے وہ تقریبا الفاظ کے اختلاف کے با وصف وہی ہے جو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے تعریف کے الفاظ یہ ہیں ''**معرفة النفس مالها و ما عليها**''اور مسلم الثبوت میں اس موضوع کا تفصیلی تعارف اس طرح کرایا ہے تفصیلی دلائل شرعیہ کی وساطت سے عملی مسائل کے متعلق دینی احکام معلوم کرنے کا علم ،یعنی دلیل شرعی سے مراد وہ ماخذ یا اٹھارتی ہے جس کی وساطت سے علوم حاصل کیئے جائیں اور کسی علم کے ماخذ سے مراد وہی مقامات لئے جاتے ہیں جہاں سے اصول وضوابط کو بنیادی طور پر بلا واسطہ حاصل کیا جائے۔فقہ کے ماہرین ان ماخذ کے لئے اصول کا لفظ استعمال کرتے ہیں اوراس کا مستقل نام اصول فقہ ہے یہ ماخذ چار ہیں قرآن،احادیث،اجماع اور قیاس۔

زیرنظر کتاب''**ریحان الفقه**''جو فاضل جلیل مولانا محمد راحت خاں مصباحی منظری کی مرتبہ ہے اس میں فقہ وفتاویٰ کی اہمیت وافادیت کے ساتھ اس کے قواعد وضوابط موجود ہیں مثلا فقہ کی تعریف وتحقیق لغوی معنی ،اصطلاحی معنی اس کی اصل ،علم فقہ کا موضوع ،تاریخ فقہ نیز طبقات فقہاء۔افتاء کا لغوی وصطلاحی معنی اس کی فضیلت اس کے آداب وغیرہم کو بہت اچھے اور تحقیقی انداز میں پیش کیا ہے۔یہ کتاب ان کے لئے بہت معین ومفید ثابت ہوگی جو مسند افتاء کی زینت بننا چاہتے ہیں اور وہ اصول وضوابط ان کے لئے نہایت ضروری ہیں جسے فاضل موصوف نے بڑے شرح و

بسط کے ساتھ جمع فرمایا ہے

یہ کتاب ضرور مقبول خاص وعام ہوگی کیونکہ اس کا نام ہی ''ریحان الفقہ''
ہے۔ حضور قائد اہلسنت سرکار ریحان ملت حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد ریحان رضا
خاں علیہ الرحمہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں جنھوں نے ہر محاذ و مقام پر جامعہ مرکز
اہلسنت جامعہ رضویہ منظر اسلام کو فروغ دینے کی ہر ممکن کوشش کی، اور ان کی ہی کوشش
سے جامعہ منظر اسلام اور اس کے فارغین دنیا کے کونے کونے میں موجود ہیں اور احقاق
حق و ابطال باطل کا پرچم لہرا رہے ہیں، اس جامعہ کے فارغین کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ
مسلک کے نام پر کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے۔

مرتب موصوف اسی جامعہ کے شعبہ تخصص کے سال آخر کے طالب علم ہیں
بہت سنجیدہ مزاج، ذی استعداد اور مؤدب بھی ہیں مولیٰ تبارک وتعالیٰ ان کی اس کاوش
کو اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں قبول فرما کر مقبول عام
فرمائے۔ آمین آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوۃ و آلہ وصحبہ اجمعین۔

فقیر قادری سید کفیل احمد غفرلہ

خادم الافتاء منظر اسلام بریلی شریف

۱۱ جمادی الاولیٰ (۱۴۳۳ھ)

تقریظ

حضرت مولانا محمد ارشد علی نوری مدرس مرکزی درس گاہ الجامعۃ الاسلامیہ رامپور

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

کتاب لاجواب مسمی ''ریحان الفقہ'' حضرت مولانا راحت خانصاحب شاہجہاں پوری کی اولین کاوش ہے جسے موصوف نے بڑی ہی عرق ریزی اور دیدہ وری سے منظّم کیا ہے۔ موصوف نے جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے تکمیل فضیلت کی پھر دیارِ اعلیٰ حضرت میں مرکز اہلسنت دارالعلوم منظرِ اسلام کا قصد کیا تاکہ روحانی پیشواؤں کی روحانیت سے رشتہ مضبوط ہو جائے، علم دوستی میں چار چاند لگ جائیں، خانقاہ رضویہ اور اس کے سجادگاہِ عالی جاہ کے فیوض و برکات سے مالامال ہوں۔ چنانچہ شعبہ تخصص فی الفقہ کے سالِ آخر میں یہاں پڑھتے پڑھتے معین المدرسین کی حیثیت حاصل کرلی اور چھپی ہوئی صلاحیت ابھر آئی تو ریحان الفقہ جیسی کتاب تالیف فرمائی۔

کتاب مستطاب فقہ واصول فقہ کی تعریف، اور اس کے مشمولات، ماخذ ومراجع، زریں ادوار، صاحب ادوار صحابہ و تابعین تبع تابعین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے حالات وکوائف نیز فقہا کا طرز استدلال اور اہل نظر وفکر فقہا کی حتی الوسع تعیین و تشخیص، ان کے وضع کردہ اصول وکتب کی فہرست اور الاشباہ والنظائر کے اکثر قواعد وضوابط مفتی اور آداب افتا کے ضروری مسائل نہایت فراخ دلی نئے طرز وطریقے پر جمع کردیئے کہ عموماً جن سے کان آشنا نہیں ہوتے اور نہ ہی آج کل کی مشغول زندگی نظر نواز ہو پاتی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مؤلف کی یہ کاوش مقبول خاص وعام فرمائے تشنگان علم کے لئے راحت کا سامان بنائے، ان کا یہ دینی وعلمی سفر زندگی بغیر تھکے ہارے طے ہوتا رہے مؤلف کا زور قلم اور زیادہ ہوتا رہے۔

محمد ارشد علی نوری

مرکزی درس گاہ الجامعۃ الاسلامیہ گنج قدیم رامپور یو۔پی

تقدیم

حضرت علامہ مفتی محمد معین الدین خاں صاحب شاہجہانپوری

شیخ التدریس جامعہ رضویہ منظراسلام بریلی شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد:

اسلام اللہ عزوجل کا عطا کردہ ایسا عظیم الشان دستورالعمل ہے جو صبح قیامت تک انسانی زندگی کے ہر شعبہ کی رہنمائی کا ضامن ہے اور زندگی کے ہر موڑ پر دستگیری کر کے فلاح و بہبودی کا ذمہ دار ہے اس کے اصول وضوابط اور قوانین کی پیروی ابدی راحت وسکون کا سبب اور اللہ ورسول کی رضا جوئی کا ذریعہ ہے۔

اسلام کی ہمہ گیر آفاقیت کا اس سے بڑھکر ثبوت اور کیا ہوگا کہ ہزاروں سلطنتوں اور حکومتوں کے اتھل پتھل اور معیشت وتجارت، صنعت وحرفت، سائنس وٹیکنالوجی اور ذرائع ابلاغ وترسیل وغیرہ میں حیرت انگیز تبدیلیوں کے باوجود آج بھی اس کے بنائے ہوئے اصول ہدایت ورہنمائی کا چشمۂ صافی ہیں جن میں کوئی تغیر وتبدل نہیں اور نہ ہی فرسودگی کو راہ ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ماحول کے اثرات اور زمان ومکان کی تبدیلیوں کو جوں کا توں قبول کر لینا اسلام کے دستور میں شامل نہیں بلکہ وہ صالح ومفید تغیر اور تعمیری تبدیل کو قبول کرتا ہے اور غیر صالح تخریبی احساسات وجذبات کو یکسر رد کر کے انسان کو فساد وبگاڑ کے راستے سے روکتا ہے۔ چونکہ اسلام جس طرح رہبر ورہنما ہے وہیں نگراں

وپاسباں بھی ہے ایمان وعقیدے سے لے کر حرام وحلال جائز وناجائز اصول واحکام معاشرتی زندگی کے آداب واصول قدیم مسائل کا حل جس طرح اسلام پیش کرتا ہے دنیا کا کوئی دھرم اس کی ہمسری نہیں کرسکتا چونکہ روئے سخن فقہ کے خطوط واشارات مقام و احکام ریحان الفقہ کے مضامین ومفاہیم کا قدرے تذکرہ مقصود ہے اس لئے ایک طائرانہ نظر کتاب کے محتویات مع افادہ ملاحظہ ہو۔

علم فقہ

فقہ کا لغوی واصطلاحی معنی:۔ فقہ کا لغوی معنی ''الشق والفتح'' کسی شی کو کھولنا اور واضح کرنا ہے۔ اصطلاحاً ''ھو العلم بالاحکام الشرعیۃ الفرعیۃ من ادلتہا التفصیلیۃ'' (توضیح) فقہ احکام شرعیہ فرعیہ کے اس علم کو کہتے ہیں جو ادلۂ تفصیلیہ سے حاصل ہوں۔ ادلۂ تفصیلیہ چار ہیں قرآن کریم، حدیث رسول، اجماع اور قیاس۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ فقہ کی تعریف ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں ''معرفۃ النفس مالہا وما علیہا'' علم فقہ نفس اور اس پر طاری ہونے والی کیفیات کے معلوم کرنے کا نام ہے یعنی جو چیزیں نفس کے لئے نفع بخش ہوں اور آخرت میں ضرر رساں ہوں ان کی معرفت کا نام فقہ ہے۔

اہل حقیقت اور صوفیائے کرام کے نزدیک فقہ علم وعمل کی جامعیت کا نام ہے۔

ایک عارف کا قول ہے ''الفقیہ عند اھل اللہ ھوالذی لایخاف الا من

مولاہٗ ولا یراقب الا ایاہ ولا یلتفت الی ماسواہ ولا یرجوالخیر من الغیر ویطیر فی طلبہ طیران الطیر ''اللہ والوں کے نزدیک فقیہ وہ ہے جو اپنے مولی تعالی کے علاوہ کسی سے خوف نہ کرے اور نہ ہی اس کے سوا کسی کی دھن ہو نہ اس کے سوا کسی کی طرف متوجہ ہو اور اس کے غیر سے طالب خیر نہ ہو اور اس کی جستجو میں پرندے کی طرح اڑتا رہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''انما الفقیہ المعرض عن الدنیا الزاھد فی الآخرۃ البصیر بعیوب نفسہ ''یعنی فقیہ وہ ہے جو دنیا سے روگرداں، امور اخرویہ میں رغبت کرنے والا اور اپنے ذاتی عیوب کا دانا و بینا ہو۔ فقیہ عارف کی عبادت بھی محض خدا کے لئے ہوتی ہے دوزخ و بہشت کی طمع سے نہیں ان لوگوں کا جنت کی خواہش کرنا تلذذ کے لئے نہیں بلکہ رب تبارک وتعالی کے دیدار کے لئے ہوتا ہے۔

لیس قصدی من الجنان نعیما غیر انی أریدھا الأراك

علم فقہ کا موضوع، غایت اور ماخذ:۔ اس علم میں مکلّف (عاقل وبالغ) کے فعل یعنی فرض وواجب، حلال وحرام اور مستحب ومکروہ وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے۔

اس علم کے حصول کا مقصد دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہونا ہے۔ تاکہ انسان دنیا میں جہالت کے قعر عمیق سے دور رہکر علوم ومعارف کے قصر معلیٰ میں داخل ہو جائے۔

اس علم کے چار ماخذ ہیں۔ کتاب اللہ، سنت، اجماع اور قیاس۔ کتاب اللہ سے مراد کلام الہی یعنی قرآن پاک ہے۔ سنت سے مراد حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے افعال واقوال اور آپ کی تقریرات ہیں۔ اقوال صحابہ رضوان اللہ تعالی عنہم سنت کے تابع ہیں اسی

طرح تعامل ناس اجماع کے تابع ہے۔قیاس سے مراد وہ قیاس ہے جو کتاب اللہ یا سنت یا اجماع سے مستنبط ہو۔ تفصیل آئندہ اوراق میں ملاحظہ ہو۔

علم فقہ کی عظمت

حدیث شریف میں ہے''طلب العلم فريضة على كل مسلم ''(سنن ابن ماجہ جلداول ص:۲۰)علم کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔علم فقہ کا سیکھنا فرض عین بھی ہے اور فرض کفایہ بھی اتنی معلومات حاصل کرنا کہ جس کی دین میں احتیاج ہوتی ہے فرض عین ہے۔ زائد از ضرورت دوسروں کے نفع کے لئے علم کا حصول فرض کفایہ ہے۔تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی ممنوعات اور ضرر رساں چیزوں سے بچا سکے۔قرآن کریم میں رب تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا﴿مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ (پ:۳ ع:۵ آیت:۲۶۹)اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی۔(کنزالایمان)اس آیت مبارکہ میں بہت سے مفسرین عظام نے حکمت سے مراد فقہ لیا ہے۔یعنی جس کو علم فقہ دیا گیا اس کو خیر کثیر دیا گیا۔نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''فقيه واحد أشد على الشيطان من الف عابد،، (سنن دار قطنی جلد سوم ص:۳۰۶۶ مطبوعہ بیروت) اور ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے سخت وگراں ہوتا ہے۔کیونکہ عابد کے زہد وورع سے خود اس کی ذات کو فائدہ پہونچتا ہے اور فقیہ حرام وحلال وغیرہ مسائل دینیہ کی تعلیم دے کر ہزاروں لوگوں کو فائدہ بخشتا ہے۔نیز عابد کی عبادت بلا بصیرت ہوتی ہے اسی وجہ سے شیطان پر آسان ہے کہ وہ اس کو گمراہی کے گڑھے میں ڈھکیل دے اور شکوک وشبہات کے جال میں پھنسا دے

مگر فقیہ مسائل جاننے کی وجہ سے گمراہی سے بچ جاتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے ”من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین،،(صحیح بخاری جلد اول ص:١٦) اللہ تعالی جس کے بارے میں بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں تفقہ عطا فرماتا ہے۔

خیر القرون اور تفقہ فی الدین:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام میں دو قسم کے لوگ تھے ایک وہ جو ہمہ وقت حفظِ حدیث اور اس کی روایت میں لگے رہتے تھے۔ مثلا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ وغیرہ۔ دوم وہ حضرات جو نصوص میں تدبر اور غور وفکر کر کے احکام و جزئیات اور استنباط و تفقہ پر ہی پوری طرح اپنی توانائی کو صرف کرتے تھے۔ مثلا حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ وغیرہ ۔ یہ حضرات احادیث کو پوری تحقیق و تدقیق اور مسلمہ قواعد شریعت پر جانچنے کے بعد معمول بہا بناتے تھے جن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کا نام سرفہرست ہے۔

دور تابعین:۔ مدینہ منورہ وہ مبارک ومسعود جگہ ہے کہ جہاں حضور سرور عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر تشریف لائے اور یہیں بہت سے احکام کے فرض وحرام ہونے کی آپ پر وحی نازل ہوئی اس لئے علوم نبوت کا اصل مخزن ومنبع اور معدن ہونے کا شرف بھی اسی مبارک شہر کو حاصل ہے۔ چنانچہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے مبارک دور سے لے کر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور تک ساری دنیائے اسلام کا مرکز یہی تھا، عہد صحابہ میں یہاں قرآن وسنن کا علم بہت

زیادہ تھا اور تابعین کے زمانہ میں ''فقہائے سبعہ'' جیسے حضرات موجود تھے جو اپنے زمانہ میں علم فقہ وحدیث کا مرجع تھے، امام ابن مبارک رضی اللہ تعالی عنہ کا بیان ہے کہ جب کوئی اہم مسئلہ پیش آتا تو یہ سب ایک ساتھ مل کر اس پر غور کرتے تھے اور جب تک وہ ان کے سامنے طے ہو کر پیش نہ ہو جاتا تب تک قاضی اس مسئلہ کے متعلق کوئی فیصلہ صادر نہیں کرتا تھا۔

فقہ حنفی کا امتیاز:۔ علامہ زاہد کوثری مصری نے زیلعی کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ فقہ حنفی صرف ایک شخصی رائے نہیں بلکہ چالیس علمائے کرام کی ترتیب دادہ ہے، امام طحاوی اسناد کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کی یہ جماعت شوریٰ چالیس افراد پر مشتمل تھی جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالی عنہ، حضرت امام محمد رضی اللہ تعالی عنہ، حضرت امام زفر بن ہذیل رضی اللہ تعالی عنہ، حضرت امام اسد بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہ، حضرت امام یوسف بن خالد سمتی رضی اللہ تعالی عنہ وغیرہ۔

طرز تدوین فقہ حنفی:۔ حضرت اسد بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت میں پہلے ایک مسئلہ کے مختلف جوابات پیش کئے جاتے پھر اس کا جو جواب سب سے زیادہ تحقیقی ہوتا اس کو تحریر کرلیا جاتا اسی طرح ایک مسئلہ تین تین دن تک زیر بحث رہتا تھا اس کے بعد کہیں وہ لکھا جاتا تھا۔ حضرت امام صمیری رضی اللہ تعالی عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے تلامذہ آپ کے ساتھ بحث وتمحیص میں لگے رہتے جب بحث کے تمام مراحل طے

ہو جاتے تب لکھنے کا حکم دیتے۔

فقہ حنفی کا نفوذ وشیوع:۔ فقہ حنفی کی تدوین چونکہ ایک شخص نے نہیں کی بلکہ کبار فقہا کی ایک بڑی جماعت نے کی اس کے ساتھ مذہب حنفی میں ہر زمانہ کی ضروریات اور جدید سے جدید ترقیات کے ساتھ چلنے کی پوری صلاحیت موجود ہے اس لئے ہر زمانہ میں امت کا اکثر حصہ اسی فقہ حنفی پر عمل پیرا رہا اور اکابر صوفیہ ابراہیم بن ادہم، شقیق بلخی، معروف کرخی وغیرہم بھی مذہب حنفی کے مطابق ہی عمل کرتے رہے۔ بغداد و مصر، شام و عراق، روم و بلخ، سمرقند و بخارا، دکن ویمن اور ہندوسندھ غرضیکہ کوئی جگہ اور کوئی گوشہ خالی نہیں جہاں حنفی مذہب نہ پہونچ گیا ہو۔

زیر نظر کتاب ''**ریحان الفقہ**'' عزیزی مولانا محمد راحت خاں قادری سلمہ المنان نے ترتیب دی ہے۔ جو فقہ، ارباب فقہ وصنادید امت کے کوائف وحالات اور فقہ وافتا کے قواعد کا مستند گلدستہ ومجموعہ ہے فقہ کی ابتدا وانتہا اور اس کے مقدس ادوار کی حقیقت وماہیت کا مبین ہے۔

مرتب موصوف جامعہ رضویہ منظر اسلام کے شعبۂ تخصص فی الفقہ کے سال آخر کے ہونہار طالب علم ہیں۔ چونکہ موصوف کا شعبۂ افتا میں سال آخر ہے عرس حامدی کے مقدس موقع پر طبع ہو رہی ہے پھر خانوادۂ رضویہ کے فرد جلیل حضرت بابرکت حضور ریحان رضا خاں رحمانی میاں علیہ الرحمہ کے مقدس نام سے منسوب ہے اس لئے رہبر قوم وملت قائد اہلسنت حضرت علامہ مولانا سبحان رضا خاں سبحانی میاں مدظلہ العالی کی بھی خواہشوں کی تکمیل ہوگی۔ کیونکہ خادم مسلک اعلیٰ حضرت، حضرت علامہ مفتی محمد فاروق صاحب علیہ

الرحمہ مسلک اعلی حضرت کی نشر واشاعت کے لئے جو کتاب منصۂ شہود پر نہ آسکی اس کی تکمیل انشاءاللہ اس ریحان الفقہ سے کچھ نہ کچھ ضرور ہوگی بلکہ مسلکی تحریک شبانہ روز دوبالہ ہی ہوتی رہے گی اور منظر اسلام قوم کو ایسے فعال ومحرک مدرسین ومصنفین دیتا ہی رہے گا۔ کیونکہ یہ ادارہ اعلی حضرت کی ایک تحریک کا نام ہے اور اعلی حضرت کی تحریک مسلک مخالف سے سمجھوتا نہیں کرتی بلکہ سمجھوتہ کرنے والوں کو جادۂ راہ پر لے آتی ہے۔ دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر کے اللہ ورسول کے دشمنوں کا بائیکاٹ کرتی ہے۔

لہذا اس تحریک کی کڑی سے جڑنے والے فاضل مصنف کے لئے دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی اپنے محبوب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے صدقے مرتب موصوف کی یہ سعی مشکور فرمائے انہیں صحت وعافیت کے ساتھ شادوآباد رکھے ان کے علم، عمر، فضل، اقبال اوراشغال میں برکتیں دے اوران سے بیش ازبیش دین حنیف کی خدمات جلیلہ مقبولہ لے اس کتاب کو عوام وخواص میں مقبولیت عطا فرمائے اور موصوف کو اس کتاب کی ترتیب واشاعت کے صلے میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

محمد معین الدین خاں

خادم جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

۹/جمادالاول ۱۴۳۳ھ/۳/اپریل ۲۰۱۲ء بروز منگل

باسمہ تعالیٰ والصلاۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ

علم فقہ کی اہمیت

اعمال شرعیہ اور مکلفین کے اعتبار سے علم فقہ کی ضرورت دوسرے علوم کے مقابلہ زیادہ ہے۔ کیونکہ فقہ علم تفسیر، علم حدیث اور علم توحید تینوں علوم کو جامع ہے کہ دنیا اور آخرت کے فوائد اسی کے جاننے اور اسی کے موافق عمل کرنے سے متعلق ہیں ۔اس اعتبار سے علم فقہ کو اشرف العلوم سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ معاش و معاد اور کاروبار اور ان کے نفع و ضرر کا جاننا اسی علم کے ساتھ خاص ہے۔ اسی لئے اکابر مجتہدین، فقہائے متقدمین اور ائمہ دین نے محض اللہ تبارک وتعالی کی رضا جوئی کی خاطر اس علم کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ جس کی وجہ سے آج ہم اہل اسلام حرام و حلال، واجب و سنت اور مستحب و مندوب وغیرہ احکام کو بے تکلف فقہ کی کتابوں سے معلوم کر لیتے ہیں۔

فقہ کا لغوی معنی

فِقہ کا معنی لغت میں کسی شئی کے مقصود کو پہونچنا ہے۔ علامہ شریف جرجانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "الفقہ ھو فی اللغۃ عبارۃ عن فھم غرض المتکلم من کلامہ (کتاب التعریفات للشریف الجرجانی ص: ۱۲٦) یعنی فقہ کا معنی لغت میں متکلم کے مقصد کو اس کے کلام سے سمجھنا ہے۔ فقہ باب سَمِعَ یَسمَعُ سے مستعمل ہے اس کا اسمِ فاعل فاقہٌ کے بجائے فقیہٌ آتا ہے۔ جیسے سمیع بمعنی سامع۔ پھر اس کو علم شریعت کے معنی

میں استعمال کیا گیا ہے۔اس صورت میں مصدر بلفظ **فَقَاهت** باب کرم یکرم سے مستعمل کیا جاتا ہے۔**فَقَاهت** کے معنی فقیہ ہونے کے ہیں۔"**والعالم بالفقه فقيه**"، یعنی فقہ جاننے والا فقیہ ہے۔اور محاورے میں کہا جاتا ہے "**فلانٌ فَقّهَه الله اى علمه الفقه وتفقه هو بنفسه** اور **مفاقهة** کے معنی فقہ میں بحث کرنے کے ہیں۔

اسی طرح لغت میں فقہ کا معنی "**الشقّ والفتح**"، یعنی شق کرنا اور کھولنا۔جیسا کہ علامہ زمخشری نے تعریف کرتے ہوئے اس جانب یوں اشارہ کیا ہے۔"**الفقيه العالم الذى يشقّ الاحكام ويفتش عن حقائقها**"، فقیہ ایسے عالم دین کو کہتے ہیں جو شریعت کی تہیں کھولتا اور ان کے حقائق کی تفتیش کرتا ہے۔

فقہ کا اصطلاحی معنی

عام فقہائے کرام سے فقہ کی تعریف یوں منقول ہے "**العلم بالأحكام الشرعية عن أدلتها التفصيلية**" (التوضیح لحل غوامض التنقیح ص:۳۳) یعنی احکام شرعیہ کو ان کے تفصیلی دلائل کے ذریعہ معلوم کرنا۔حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے "**معرفة النفس ما لها وماعليها**" (مقدمة تاتارخانية جلداول باب فى العلم والحث عليه ص:۱۷۵) ایسی حقیقی معرفت کہ جس کے ذریعہ انسان اپنا فائدہ اور نقصان معلوم کرسکے اس کا نام علم فقہ ہے۔

عمدۃ المتأخرین علامہ محمد امین ابن عابدین شامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کی وضاحت یوں کی ہے کہ اصولیوں کے نزدیک فقہ کی تعریف اس طرح ہے "**العلم بالأحكام الشرعية الفرعية المكتسب من أدلتها التفصيلية**" (فتاوی شامی جلداول ص:۱۱۸/۱۱۹) احکام شرعیہ کو تفصیلی دلائل سے جاننے کو فقہ کہتے ہیں۔اسی

میں ہے”وعند الفقهاء حفظ الفروع و اقلهٔ ثلاث“ (ایضاً)فقہاء کی اصطلاح میں فقیہ کا اطلاق اس پر ہوگا جوفروع کو یادرکھےاس کی اقل مقدار تین ہے۔اورصوفیائے کرام کے نزدیک”الجمع بين العلم و العمل لقول الحسن البصری ”انّما الفقيه المعرض عن الدنيا،الزاهد فى الآخرة البصير بعيوب نفسه“ (ایضاً) فقیہ اس کو کہتے ہیں جوعلم وعمل کا جامع ہو۔حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ فقیہ وہ ہے جودنیا سے منہ موڑکرآخرت کی طرف راغب اوراپنے عیوب پرواقف ہو۔

عہدقدیم میں علم فقہ کامفہوم بہت وسیع تھا۔اس کے دائرۂ بحث میں علم شریعت کے علاوہ علم الٰہیات اورعلم طریقت کے مسائل بھی شامل تھے۔جیسا کہ صاحب مسلم الثبوت نے اس کی صراحت کی ہےموصوف کےالفاظ یہ ہیں۔”انّ الفقه فى الزمان القديم كان مُتناوِلاً لعلم الحقيقة وهى الالٰهيات من مباحث الذات والصفات وعلم الطريقة وهى مباحث المنجيات و المهلكات وعلم الشريعة الظاهرة،، (مسلم الثبوت) ۔یعنی علم فقہ زمانۂ قدیم میں علم حقیقت کوبھی شامل تھا۔جسے علم الٰہیات کہتے ہیں کہ جس میں خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات سے بحث ہوتی ہے۔اسی طرح نجات بخش اور ہلاکت آمیزچیزوں کاعلم یعنی علم طریقت اورشریعت مطہرہ کے ظاہری علوم بھی اس علم کے دائرہ میں آتے تھے البتہ بعدمیں جب مسلمانوں کے تعلقات مختلف اقوام کے ساتھ قائم ہوئے توعلوم وفنون کا بھی تبادلہ ہوااوروقت کے تقاضے کے مطابق عقائدوایمانیات کوعقلی دلائل سے مزین کیا گیاتوعقائد کے مباحث مستقل ایک فن کی صورت اختیارکرگئے اوراس کوعلم کلام سے موسوم کیا گیااس کے بعدفقہ کامفہوم علم شریعت ظاہرہ میں محدودہوگیا۔

علم فقہ کا موضوع

علم کا موضوع وہ ہوتا ہے کہ جس کے عوارض ذاتیہ سے اس علم میں بحث کی جائے۔علم فقہ کا موضوع فعل مکلّف ہے اس حیثیت سے کہ وہ مکلّف یعنی عاقل وبالغ ہے۔علامہ ابن عابدین شامی قدس سرہٗ السامی فرماتے ہیں"**وموضوعہٗ فعل المکلف ثبوتاً او سلباً**" (مقدمۃ ردالمحتار جلد اول ص:۱۲۰) لہذا غیر مکلّف کا فعل اس علم کا موضوع نہیں ہوسکتا کیونکہ بچہ اور مجنون وغیرہ تکالیف شرعیہ کے مکلّف ہی نہیں ہیں اوران کی عبادات (نماز،روزہ وغیرہ) کی صحت عقلی ہے۔ان کواس کا حکم اس لئے دیا جاتا ہے تا کہ عادت ہوجائے اور بالغ ہونے کے بعد ترک نہ کریں نہ کہ اس وجہ سے کہ وہ مخاطب ہیں۔فعل مکلّف کو چونکہ حلال وحرام واجب ومستحب وغیرہ عارض ہوتے ہیں۔اس لئے فقہ میں ان ہی سے بحث کی جاتی ہے۔یہی فقہ کا موضوع ہے۔

علم فقہ کی غرض وغایت

اس علم کی غرض وغایت سعادت دارین ہے۔علامہ ابن عابدین شامی قدس سرہٗ السامی فرماتے ہیں"**وغایتہٗ الفوز بسعادۃ الدارین**" (مقدمۃ ردالمحتار جلد اول ص:۱۲۱) اس کی غرض دارین کی سعادت سے کامران ہونا ہے۔ یعنی فقیہ خود بھی دنیا میں جہالت کی گھاٹیوں سے نکل کر علم نافع کی فضاؤں میں سفر کرتا ہے اور دوسروں کو بھی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تعلیم دیتا ہے تا کہ مالک جنت راضی ہو اور یہ نعیم جنت سے مالا مال ہو۔

علم فقہ کا ماخذ

اس علم کا ماخذ آیات قرآنیہ، احادیث احکامیہ اور اجماع وقیاس ہیں۔اس کے برخلاف سابقہ شرائع میں محض آسمانی کتابوں کے موافق حکم دیا جاتا تھا۔لہذا شریعت محمدیہ میں حسب مراتب بالا احکام صادر کئے جائیں۔اقوالِ صحابۂ کرام حدیث کے ساتھ ملحق ہیں تو تعامل اجماع کے تابع کیا گیا ہے لیکن تحری واستصحاب حال قیاس کے تابع رہیں گے۔

علم فقہ کی اصل قرآن وحدیث میں

علم فقہ دیگر علوم وفنون کی طرح خودساختہ نہیں ہے بلکہ اس کا مرجع قرآن و حدیث ہیں۔اور قرآن وحدیث میں اس کی بنیادیں موجود ہیں۔قرآن وحدیث کے ساتھ فقہ کو ایسا گہرا تعلق ہے کہ فقہ کا لفظ بھی قرآن وحدیث ہی سے ماخوذ ہے۔ویسے تو جا بجا قرآن میں تدبر، تفکر، تعقل اور شعور وادراک کی دعوت عام ہے۔لیکن ایک آیت مبارکہ میں بالکل صراحت کے ساتھ اہل ایمان کو تفقہ کی دعوت دی گئی ہے رب تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَلَوۡلَا نَفَرَ مِنۡ كُلِّ فِرۡقَةٍ مِّنۡهُمۡ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوۡا فِى الدِّيۡنِ﴾ (پ:۱۱ ع:۴ آیت:۱۲۲) تو کیوں نہ ہو کہ ان (مومنین) کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ (تفقہ) حاصل کریں۔(کنزالایمان) اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں صدرالافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں ہر شخص کو عالم وفقیہ بننا ضروری نہیں البتہ جو چیزیں بندے پر فرض وواجب ہیں اور جو اس

کے لئے ممنوع وحرام ہیں ان کا سیکھنا فرضِ عین ہے اور اس سے زائد علم حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے۔حدیث شریف میں ہے علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔(خزائن العرفان)

دین کی سمجھ جس علم سے حاصل ہوتی ہے اسی کو فقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔چونکہ علم فقہ ہی ایک ایسا فن ہے کہ جس کا تعلق بے شمار علوم وفنون سے ہے۔رب تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:﴿مَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَةَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا﴾ (پ:۳ ع:۵ آیت:۲۶۹) اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی۔(کنزالایمان)اس آیت کریمہ میں مفسرین نے حکمت سے علم فقہ ہی مراد لیا ہے۔

حضور سرور عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرتے ہیں:"لکلّ شئٍ عماد وعمادھذاالدین الفقه،، (بیھقی جلد دوم باب فضل العلم ص:۲۶۶،سنن دار قطنی جلد:۳ ص:۳۰۶۶)یعنی ہر چیز کا ایک ستون ہے اور اس دین کا ستون علم فقہ ہے۔

"من یرداللہ به خیرا یفقهه فی الدین،،(صحیح بخاری جلد اول کتاب العلم باب من یرداللہ به خیراً یفقهه فی الدین ص:۱۶،صحیح مسلم جلداول کتاب الزکاۃ باب النھی عن المسألة ص:۳۳۳) اللہ تعالی جس کے بارے میں بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے تفقہ عطا فرماتا ہے۔امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں اس حدیث میں واضح طور پر علما کی سب لوگوں پر اور تفقہ فی الدین کی تمام علوم پر فضیلت بیان کی گئی ہے۔(فتح الباری شرح بخاری جلداول ص:۱۳۴)

مشکوۃ شریف کتاب العلم میں ہے کہ ایک موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:"انّ الناس لکم تبعٌ وانّ رجالا یاتونکم من أقطار الأرض یتفقھون فی الدین فاذاأتوکم فاستوصوا بھم خیراً" (مشکوۃ المصابیح کتاب العلم ص:۳۴) بیشک لوگ تمہارے تابع ہیں اور بیشک تمہارے

پاس تفقہ حاصل کرنے کے لئے لوگ زمین کے مختلف خطوں سے آئیں گے جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم انہیں خیر کی وصیّت کرنا۔

"والفقیہ الواحد أشد علی الشیطان من الف عابد،، (بیہقی جلد دوم باب فضل العلم ص:۲۶۶، سنن دار قطنی جلد سوم ص:۳۰۶۶) اورایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے سخت وگراں ہوتا ہے۔ کیونکہ عابد سے کسی کو نفع نہیں پہونچتا اور فقیہ لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیتا ہے انہیں حرام وحلال کے مسائل بتلاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ارشاد فرمایا" تفقھوا قبل أن تسودوا،، (صحیح بخاری جلد اول کتاب العلم ص:۱۷) یعنی سردار بننے سے قبل علم فقہ حاصل کرلو۔ "مجلس فقہ خیر من عبادۃ ستین سنۃ،، (طبرانی) فقہ کی مجلس میں شریک ہونا ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے۔

فقہ کی تاریخ

عموماً لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ علم فقہ ائمۂ مجتہدین کے زمانے کی پیداوار ہے۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ احادیث وسیر اور تاریخ اسلام کا گہرا مطالعہ کرنے والے حضرات کے لئے یہ بات بالکل واضح ہے کہ فقہ کی بنیاد زمانۂ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی میں پڑ چکی تھی۔ اس اعتبار سے ہم فقہ کی تقسیم چار ادوار میں کرتے ہیں۔

فقہ اسلامیہ کا پہلا دور:۔ یہ دور ظہور نبوت علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والسلام سے لے کر

۱۰ھ تک ہے۔ جس کو ہم عہد رسالت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس زمانۂ مبارکہ میں چونکہ خود حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی منبع احکام اور شارع اسلام ہونے کی حیثیت سے صحابۂ کرام کے درمیان موجود تھی اس لئے اپنی شخصی زندگی میں جب بھی انہیں کوئی نیا مسئلہ پیش آتا وہ فوراً حضور سے دریافت کرلیا کرتے تھے۔ انہیں حکم معلوم کرنے کے لئے اجتہاد وتفکر کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ البتہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کسی کو عامل بنا کر باہر بھیجتے۔ تو حضور کے ارشادات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ارباب حل وعقد کو جب کوئی نیا مسئلہ پیش آجائے اور حکم شرع معلوم کرنے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی سامنے موجود نہ ہوں اور قرآن وسنت سے بھی صراحتا کوئی ہدایت نہ ملتی ہو تو اس صورت میں شریعت اسلامیہ کا حکم معلوم کرنے کے لئے انہیں اجتہاد سے کام لینا چاہئے اسی طرح کے واقعات سے ہم کو عہد رسالت میں فقہ اسلامی کی بنیاد کا سراغ ہاتھ لگ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ نئے نئے مسائل میں خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکامات وارشادات سے بھی شریعت مقدسہ کا مزاج مفہوم ہوتا ہے کہ کن حالات میں شریعت اسلامیہ کیا چاہتی ہے۔

فقہ اسلامیہ کا دوسرا دور:۔ اس جہان فانی سے جب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظاہراً تشریف لے گئے تب امت محمدیہ کی باگ ڈور کبار صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین کے ہاتھوں میں آگئی۔ یہ مبارک ومسعود دور ۱۰ھ کے بعد سے شروع ہوکر ۴۱ھ پر ختم ہوگیا اس دور فقہ کو ہم صحابہ کا دور کہتے ہیں۔ اس دور کے مشہور فقہائے کرام یہ ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ

بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہا ورام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

فقہ اسلامیہ کا تیسرا دور:۔ جب اکابر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیھم اجمعین اس دار فانی سے رحلت فرما گئے تب اصاغر صحابۂ کرام اور اکابر تابعین عظام نے امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زمام سنبھالی۔ یہ مبارک دور ۴۱ھ کے بعد سے شروع ہوکر دوسری صدی ہجری کی ابتدا تک پہونچ کر ختم ہوگیا۔ یہ وہ مبارک دور فقہ ہے کہ جس میں اسلامی اقتدار وحکومت کا سورج اپنی آب وتاب پر تھا مشرق ومغرب اور جنوب وشمال میں دور دور تک اسلام کی شان وشوکت کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ دین کی تبلیغ واشاعت کے لئے امت کے اصحاب علم وفضل ممالک محروسہ کی وسعتوں میں ہر طرف گروہ در گروہ پھیل گئے تھے۔ چنانچہ اس دور کے کچھ مشہور فقہائے کرام کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ م ۵۷ھ

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۷۳ھ

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۵۸ھ

۴۔ حضرت سعید بن مسیّب مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۹۴ھ

۵۔ حضرت عروہ بن زبیر بن عوام اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۹۴ھ

۶۔ حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۹۴ھ

۷۔ حضرت امام زین العابدین علی بن حسین ہاشمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۹۴ھ

۸۔ حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۱۰۶ھ

۹۔ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر عدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۱۰۶ھ

۱۰۔ حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۱۰۷ھ

۱۱۔ حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۱۱۷ھ

۱۲۔ حضرت ابن شہاب زھری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۱۲۴ھ

۱۳۔ حضرت امام محمد باقر بن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۱۱۴ھ

۱۴۔ حضرت جعفر بن محمد بن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۱۴۸ھ

۱۵۔ حضرت ابو الزناد عبداللہ بن ذکوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۱۳۱ھ

مذکورہ بالا حضرات مدینہ منورہ میں جلوہ افروز تھے اس لئے ان کو فقہائے مدینہ کہا جاتا ہے۔

۱۶۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۸۶ھ

۱۷۔ حضرت مجاہد بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۱۰۳ھ

۱۸۔ حضرت عکرمہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۱۰۷ھ

یہ فقہائے کرام مکہ معظّمہ میں علم فقہ کا اجالا پھیلا رہے تھے اس لئے انہیں فقہائے مکہ یا فقہائے حرم کہا جاتا ہے۔

۱۹۔ حضرت علقمہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۶۲ھ

۲۰۔ حضرت مسروق بن اجدع رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۶۳ھ

۲۱۔ حضرت عبیدہ بن عمرو سلمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۹۲ھ

۲۲۔ حضرت اسود بن یزید نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۹۵ھ

۲۳۔ حضرت قاضی شریح بن حارث کندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۹۵ھ

۲۴۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۹۵ھ

۲۵۔ حضرت عمر بن شرحبیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۱۰۴ھ

ان حضرات کے فقہی کارناموں کا ڈنکا کوفہ میں بج رہا تھا اس لئے انہیں فقہائے کوفہ کہا جاتا ہے۔

۲۶۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۹۳ھ

۲۷۔ حضرت ابوالعالیہ رفیع بن مہران رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۹۰ھ

۲۸۔ حضرت ابوالشعثاء جابر بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۹۳ھ

۲۹۔ امام التعبیر والرویا حضرت محمد بن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۱۳۱ھ

۳۰۔ حضرت قتادہ بن دعامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۱۱۸ھ

یہ حضرات بصرہ کے نامور فقیہ تھے اس لئے ان کو فقہائے بصرہ کہا جاتا ہے۔

۳۱۔ حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۷۸ھ

۳۲۔ حضرت ابوادریس خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۸۰ھ

۳۳۔ حضرت قبیصہ بن ذویب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۸۱ھ

۳۴۔ حضرت رجاء بن حیات کندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۱۱۲ھ

۳۵۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۱۰۱ھ

ان حضرات کا شمار شام کے نامور فقہائے کرام میں ہوتا تھا اس لئے ان کو فقہائے شام کہا جاتا ہے۔

۳۶۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۶۵ھ

۳۷۔ حضرت ابوالخیر مرشد بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۹۰ھ

۳۸۔ حضرت یزید بن ابی حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۱۲۸ھ

ان حضرات نے مصر کے علمی ایوانوں کو روشن و منور کر رکھا تھا اس لئے ان کو فقہائے مصر کہا جاتا ہے۔

۳۹۔ حضرت طاؤس بن کیسان جندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۱۰۶ھ

۴۰۔ حضرت وہب بن منبہ شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ م ۱۱۴ھ

ان حضرات نے یمن کی بزم علم میں شمع فقہ کو روشن کر رکھا تھا اس لئے ان کو فقہائے یمن کہا جاتا ہے۔

فقہ اسلامیہ کا چوتھا دور:۔ فقہ اسلامیہ کا چوتھا دور دوسری صدی ہجری کی ابتدا سے شروع ہو کر تقریباً چوتھی صدی ہجری کے وسط تک پہونچ کر تمام ہو جاتا ہے۔اس دور میں اسلامی فتوحات کی وسعت کے ساتھ مختلف اقوام عالم سے مسلمانوں کے اختلاط، زبانوں کے تبادلے، علوم دینیہ کے حلقوں میں یونانی علوم کی ترویج اور زمین کے مختلف حصوں میں علوم دینیہ کی نشر و اشاعت کے سبب لوگوں کو مختلف قسم کے نئے نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑا دین اسلام اور کتاب وسنت کے تحفظ کے لئے نئی نئی ضرورتوں کا احساس ہوا اس کے لئے علوم وفنون کی بنیادیں رکھی گئیں، تدوین حدیث کا کام پایۂ تکمیل کو پہونچا۔ مجتہدین امت کے بہت سارے علمی حلقوں کا وجود ہوا۔لوگوں کے اندر ایسا جذبہ پیدا ہوا کہ سیکڑوں افراد شب وروز اسلامی قوانین کی تدوین وتخریج اور ان کے استخراج واستنباط کے کام میں مشغول رہتے تھے تب جا کر سیکڑوں مجلدات پر مشتمل اسلامی مسائل وقوانین کا ایک عظیم الشان سرمایہ اسلامی تاریخ کو دستیاب ہوا جو قیامت تک کے لئے امت کی دینی ضروریات کا کفیل ہے۔اسی زمانہ میں فقہ کے اصول کو مرتب کیا گیا اور کتاب وسنت کے احکام کے لئے فرض، واجب، سنت، مستحب اور مندوب وغیرہ کی اصطلاحات مستخرج کی گئیں اسی دور میں ترتیب وتدوین استنباط واستخراج اور جمع وترتیب کرنے والے مجتہدین کی طرف نسبت کرتے ہوئے مختلف مذاہب فقہا کا وجود ہوا۔ ہر مذہب کی ترجمانی مین کثیر کتابیں لکھی گئیں۔ عام طریقے سے فقہی مباحثات ہونے لگے۔لیکن دنیا میں صرف چار فقہی مذاہب کے اثرات محفوظ رہ سکے۔طحاوی میں ہے:

”وهذه الطائفة الناجية قد اجمعت اليوم في مذاهب أربعة وهم الحنفيون والمالكيون والشافعيون والحنبليون رحمهم الله ومن كان خارجاً عن

هذه الأربعة فی هذاالزمان فهو من أهل البدعة و النار“ (حاشية الطحطاوی علی الدرر جلد سوم ص: ۱۵۳ کتاب الذبائح) ۔امت کا نجات یافتہ طبقہ اس دور میں حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی ان چار مذاہب میں منحصر ہے، جو اس زمانے میں ان چاروں مذاہب سے خارج ہو وہ بد مذہب اور جہنم کا مستحق ہے۔

ان چاروں مذاہب میں جو عروج و ترقی اور قبول عام فقہ حنفی کو نصیب ہوا وہ کسی دوسرے کو نہ ہو سکا۔ امام جلیل حضرت ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ الباری کے بیان کے مطابق پوری امت کا دو تہائی حصہ حنفی ہے۔ (مرقات جلد دوم ص:۲۴)

ائمۂ اربعہ کے مختصر حالات

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نام ونسب:۔ آپ کا اسم مبارک نعمان، کنیت ابوحنیفہ اور آپ کے والد ماجد کا نام ثابت ہے۔ ابتدا میں آپ کا خاندان کابل میں آباد تھا، آپ کے دادا جن کا نام کچھ تذکرہ نگاروں نے زُوطیٰ اور بعض نے زَوطیٰ لکھا ہے۔ آپ ایک جنگ میں گرفتار ہوکر کوفہ آئے اور اسلام قبول کرنے کے بعد یہیں رہنے لگے۔ ان کا پیشہ تجارت تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ان کی ملاقات ہوئی اور اس حد تک تعلقات بڑھے کہ وہ کبھی کبھی ان کی خدمت میں ہدیہ بھیجتے رہتے تھے۔ آپ کے والد محترم ''ثابت'' بھی کوفہ میں تجارت کیا کرتے تھے۔ امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد کی کوفہ میں روٹیوں کی دکان تھی۔ (مناقب الامام الاعظم للموفق بن احمد جلد اول ص:۱۶۲)

ولادت ووفات:۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سن ولادت کے متعلق مختلف اقوال بیان کئے گئے ہیں (۱) ۶۱ھ (۲) ۷۰ھ (۳) ۷۷ھ (۴) ۸۰ھ۔ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں مزاحم بن داؤد کی روایت سے ۶۱ھ اور ابونعیم کی روایت سے ۸۰ھ سن ولادت بیان کیا ہے۔ (تاریخ بغداد للخطیب جلد۱۳ص:۳۳۰) اوران دونوں اقوال میں

سے ۸۰ھ کو ترجیح دی ہے۔

ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں آپ کی وفات کے متعلق اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ کی وفات رجب کے مہینہ میں ہوئی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شعبان کے مہینہ میں ہوئی۔ سال وفات ۱۵۰ھ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جمادی الاولی کی گیارہ تاریخ تھی۔ دوسرا یہ بھی ہے کہ سن وفات ۱۵۳ھ ہے۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

تحصیل علم:۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً ان تمام علوم کو حاصل کیا جو کہ اس زمانے میں رائج تھے آپ خود فرماتے ہیں: ”کہ ابتدا میں قراءت، حدیث، نحو، ادب، شعر و کلام وغیرہ ان تمام علوم کو حاصل کیا جو کہ اس زمانہ مین رائج تھے۔ اسکے بعد آپ نے علم کلام میں مہارت حاصل کی اور ایک مدت تک اس میں مشغول رہ کر اتنا کمال حاصل کرلیا کہ اس فن میں لوگوں کی نگاہیں آپ کی جانب اٹھنے لگیں۔ آپ کے مشہور شاگرد زفر بن ہزیل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا کہ ”پہلے میں علم کلام سے دلچسپی رکھتا تھا اور اس حد کو پہونچ گیا تھا کہ میری جانب اشارے کئے جاتے تھے۔“ (مناقب الامام الاعظم للموفق بن احمدالمکی جلد/ ا ص/ ۵۷، ۵۸)

یحی بن شیبان رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے حوالہ سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ”میں ایک ایسا شخص تھا کہ جس کو علم کلام کی بحثوں میں مہارت حاصل تھی۔ ایک زمانہ ایسا گزرا کہ میں ان ہی بحثوں اور مناظروں میں مشغول رہتا تھا اور چونکہ مباحثہ اور مناظرہ کرنے والے لوگ زیادہ تر بصرہ میں تھے اس لئے میں بیس سے زیادہ مرتبہ بصرہ گیا۔ کبھی کبھی سال چھ مہینے رہ کر وہاں کے خوارج کے مختلف فرقوں اباضیہ، صفریہ اور حشویہ سے مناظرے کرتا رہا۔ میں علم کلام کو سب سے اعلی علم

گمان کرتا تھا۔اور دل میں کہتا تھا کہ یہی اصل دین ہے۔ایک مدت گزر جانے کے بعد دل میں یہ خیال آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ وتابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے یہ باتیں پوشیدہ نہیں تھیں جن میں ہم مباحث کرتے ہیں۔وہ حضرات ان باتوں کو جانتے ہوئے بھی ان کی جانب راغب نہیں ہوئے، بلکہ ان باتوں سے منع ہی کیا اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ حضرات دین کے مسائل اور ابواب فقہ میں غور وخوض کرتے تھے اسی میں ان کی گفتگو ہوتی تھی اور اسی میں ان کی مجلسیں ہوا کرتی تھیں وہ اسی کی تعلیم وتربیت دیا کرتے تھے،اسی میں ان کے مناظرے ہوا کرتے تھے اسی حالت میں صحابۂ کرام کا دور ختم ہوا اور ان ہی کی پیروی تابعین نے بھی کی ہے۔جب ہم پر یہ بات عیاں ہوگئی تو ہم نے مناظرے چھوڑ دیئے،علم کلام میں غور وخوض کرنا چھوڑ دیا، سلف صالحین کا طریقہ اختیار کیا اور اصحاب معرفت کی صحبت میں بیٹھنے لگے۔(مصدر سابق ص/۵۹)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک مدت تک علم کلام میں مشغولیت کے بعد آپ نے اس سے رخ موڑا اور علم فقہ (قانون اسلام) کی تدوین اور قرآن وحدیث اور فقہی مسائل کے استنباط کی طرف متوجہ ہوئے۔

علمی مقام:۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علمی مقام نہایت بلند وبالا ہے۔وہ آسمان علم تفقہ کے افق پر نیر تاباں بن کر اس طرح ظاہر ہوئے کہ انہوں نے جہالت کی تاریکیوں کو علم کی روشنی سے چھانٹ کر رکھ دیا۔آپ کے علمی مقام کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ کے متعلق حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بشارت آئی ہے۔یہاں ان احادیث کو نقل کیا جاتا ہے جن کو امام جلال الدین بن ابی بکر سیوطی رحمۃ

اللہ تعالی علیہ نے نقل کیا ہے۔امام ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں یہ حدیث روایت کی ہے:"قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم لوکان العلم بالثریالتناولہ رجال من ابناء فارس" (تبییض الصحیفۃ بمناقب ابی حنیفۃص: ۳۲) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: اگرعلم ثریا کے پاس ہوتا تو فارس کے کچھ افراداسے حاصل کرلیتے۔اس حدیث کوکنزالعمال میں نقل کیا گیاہے:"لوکان العلم معلقاً بالثریا لتناولہ قوم من ابناء فارس" (ایضا) اگرعلم ثریاپرآویزاں ہوتا تب بھی کچھ ابنائے فارس اسے حاصل کرلیتے۔اس روایت کی امام مسلم نے تخریج کی ہے:"لوکان الایمان عند الثریا لذھب لہ رجل من ابناء فارس حتی یتناولہ" (ایضاص: ۳۳) اگرایمان ثریا تک پہونچ جائے تو مردان فارس کاایک شخص اس تک پہونچ کراسے ضرور حاصل کرلے گا۔

فتوی نویسی کا آغاز:۔ حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعدکوفہ میں حضرت حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فتوی دینے کا آغاز کیا۔آپ کے فتوے عالم اسلام میں قبول کئے جانے لگے۔جب ان کا انتقال ہواتو کوفہ خالی خالی دکھائی دینے لگا۔لوگ متردد تھے کہ اب دینی فیصلہ کون کرے گا چنانچہ ان کی مسند پران کے بیٹے اسماعیل کوبٹھادیا گیامگروہ ایک دنیادار اور دنیاوی مشاغل میں گھرے ہوئے انسان تھے۔ان کے پاس ان کے والدحماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردآئے ان میں بکرنہشلی ،ابوبرزہ،ابواسحٰق شیبانی اور جابربن زید جیسے اہم لوگ موجود تھے اورگزارش کی کہ آپ اپنے والد کی مسند پر بیٹھ کر درس کا سلسلہ جاری کریں۔وہ اس عظیم کام کے اہل نہ تھے،انہوں نے معذرت کی پھر یہ تمام حضرات امام اعظم ابوحنیفہ

رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورت حال پر گفتگو کی اور عرض کی کہ آپ اس بات سے اتفاق کریں گے کہ آپ کے استاذ کے چلے جانے کے بعد کوفہ علم سے خالی ہو رہا ہے۔ اور علم اٹھ گیا ہے آپ کے ہوتے ہوئے علم مٹ جائے یا کوفہ کی علمی مسند خالی ہو جائے یہ ایک قابل افسوس سانحہ ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے پوری صورت حال سنا کر یہ استدعا کی کہ آپ اپنے استاد گرامی کی مسند سنبھال لیں۔ فتوی نویسی بھی کریں اور درس و تدریس بھی جاری رکھیں۔ آپ نے ان احباب کی بات کو تسلیم کر کے فتوی نویسی کا آغاز کر دیا۔

امام اعظم کا طریقۂ استنباط:۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سب سے پہلے میں کتاب اللہ کے حکم کو لیتا ہوں اگر میں اس میں نہیں پاتا تو پھر حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اور اگر میں کتاب اللہ اور حدیث رسول میں کوئی حکم نہیں پاتا تو میں حضور کے صحابۂ کرام میں سے جس کا قول چاہتا ہوں لیتا ہوں اور جس کا چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں۔ ان کے قول کو چھوڑ کر دوسرے کے قول کو اختیار نہیں کرتا۔ اور جب معاملہ ابراہیم نخعی، شعبی اور ابن سیرین کا ہو تو چونکہ وہ اجتہاد کرتے ہیں اور میں بھی مجتہد ہوں۔ (مقدمۂ تاتارخانیہ جلد اول ص:۱۱۱) اس طرح آپ نے اپنے لئے سات اصول متعین فرمائے: (۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ (۳) اقوال صحابہ (۴) قیاس (۵) استحسان (۶) اجماع (۷) عرف۔

اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی قبر انور پر رحمت ونور کی بارش فرمائے۔ جب آپ کا وصال ہوا تو لوگوں کی کثرت کی وجہ سے جنازہ کی نماز پانچ مرتبہ پڑھی گئی سب سے آخر میں جنازے کی نماز کی امامت آپ کے صاحبزادے حضرت حماد نے فرمائی۔ امام

صاحب کو قاضی القضاۃ حسن بن عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غسل دیا اور بوقت غسل کلمۂ ترحم کے بعد انہوں نے کہا: ''تم پر خدا کی رحمت ہو تم نے تیس برس سے برابر روزے رکھے اور چالیس برس سے شب کو سوئے نہیں''۔ آپ کی پوری زندگی خدمت دین میں صرف ہوئی۔

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت ووفات:۔ آپ خلاف معمول شکم مادر میں تین سال رہے اور بعض نے دو سال بیان کئے ہیں۔ اور آپ کی جائے ولادت مدینہ منورہ ہے۔ آپ کی سن ولادت کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ ۹۰ھ، ۹۳ھ، ۹۴ھ، ۹۵ھ، ۹۸ھ وغیرہ۔ لیکن اکثر کی رائے ۹۳ھ ہے۔ اس قول کی ثقاہت کے لئے خود امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت بیان کی جاتی ہے۔ ''ولدت سنة ثلاث وتسعين'' یعنی میں ۹۳ھ میں پیدا ہوا۔ اور یہ زمانہ ولید بن عبدالملک کا تھا۔ آپ کی وفات ۱۱/ یا ۱۴/ ربیع الثانی ۱۷۹ھ رشید عباسی کے زمانے میں مدینہ طیبہ کے اندر ہوئی۔ بعد نماز جنازہ آپ جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ کسی نے آپ کی سنِ ولادت ووفات کو یوں نظم کیا ہے۔

فخر الأئمة مالک. نعم الامام السالک

مولده نجم هدی . وفاته فازم

۹۳ ۱۷۹

نام ونسب :۔ آپ کا نام ''مالک'' کنیت ''ابوعبداللہ'' اور لقب ''امام دارالہجرت'' تھا۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: مالک بن انس بن مالک ابی عامر بن عمرو بن الحارث بن غیمان بن خثیل الاصبحی ہے۔

تعلیم وتربیت :۔ آپ نے جب آنکھ کھولی تو مدینۃ الرسول میں ایسا خاندان اور ایسا ماحول پایا کہ جہاں اثر وحدیث کا بول بالا تھا۔ ابن شہاب زہری، یحی بن سعید انصاری، زید بن اسلم اور حضرت ربیعہ وغیرہم تابعین وتبع تابعین اپنے آفتاب علم سے دنیا کی فضاؤں کو معمور کر رہے تھے۔ آپ نے اسلامی گھرانے کے دستور اور رواج کے موافق سب سے پہلے کلام اللہ کو حفظ فرمایا پھر حفظ حدیث کی طرف مائل ہوئے۔ لہذا حصول علم حدیث کی خواہش کا آپ نے اپنی والدہ مقدسہ سے اظہار فرمایا تو آپ کی والدہ مکرمہ نے اجازت مرحمت کرتے ہوئے فرمایا ''أذهب الى ربيعة فتعلم أدبه قبل علمه'' ربیعہ کے پاس جاؤ اور اس کے علم سے پہلے اس کا ادب حاصل کرو۔ آپ پر رب تبارک وتعالی کا فضل ہوا کہ حدیث کی برکت سے آپ کی تنگ دستی بھی جاتی رہی اور قوت حافظہ میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا۔

وہ کتب جن سے آپ کے مذہب کو فروغ ملا :۔ مذہب مالکی کو جن کتب سے فروغ ملا وہ مدونہ، واضحہ، عتبیہ اور موازیہ ہیں۔ حضرت عبدالملک بن حبیب رضی اللہ تعالی عنہ اندلس آئے اور وہاں انہوں نے ''واضحہ'' نام کی کتاب مدون کی اور مذہب مالکی کو عام کیا۔ محمد بن احمد بن عبدالعزیز عتبی رضی اللہ تعالی عنہ نے ''عتبیہ'' مدون کی۔ اسد بن فرات رضی اللہ تعالی عنہ حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس رہ کر

تمام فقہی ابواب لکھ کر قیروان آئے اور جو کچھ انہوں نے لکھا تھا آپ کی طرف نسبت کرتے ہوئے لوگوں نے اس کا نام اسدیہ رکھا۔لیکن بعد میں انہوں نے جب باضابطہ طور پر اس کو مدون کر دیا تو اس کا نام ''مدونہ'' رکھا گیا۔اس کے بعد حضرت محمد بن ابراہیم بن زیاد اسکندری جو کہ ابن مواز کے نام سے مشہور تھے انہوں نے ایک کتاب ترتیب دی جو کہ ''موازیہ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔اسی کتاب کو ابوالحسن القابسی رضی اللہ تعالی عنہ نے مذہب مالکی کی تمام امہات الکتب پر ترجیح دی ہے۔اسی کے متعلق مدارک میں ہے ''أجل كتاب ألفه المالكيون،أصح مسائل وأبسطه كلاماً وأوعبه'' یعنی یہ مالکیوں کی سب سے ممتاز کتاب ہے،اس کے مسائل صحیح ترین ہونے کے ساتھ شرح وبسط کے ساتھ مذکور ہیں۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ

نام ونسب:۔آپ کا اسم گرامی ''محمد'' کنیت ''ابوعبداللہ'' اور آپ کے والد کا نام ادریس ہے۔سلسلۂ نسب یہ ہے۔''محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف بن قصی ابن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کِنانہ ابن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ابن عم رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم''۔(تاریخ بغداد جلد دوم ص:۵۵)آپ کے نسبی سلسلہ میں ایک نام حضرت شافع رضی اللہ تعالی عنہ کا ہے جو کہ صغار صحابۂ کرام میں سے تھے۔حضرت شافع رضی اللہ تعالی عنہ ہی کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو شافعی کہا جاتا ہے۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ کے والد محترم حضرت سائب رضی اللہ تعالی عنہ ہیں۔آپ بدر کے دن مشرکین مکہ کے ساتھ تھے اور مکہ والوں کی شکست کے بعد دیگر قیدیوں کے ساتھ آپ کو بھی قیدی بنایا گیا تھا۔آپ نے قید سے رہائی کے لئے فدیہ ادا کیا تھا۔اوراس کے بعد آپ ایمان کی دولت سے بہراور ہوئے۔حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت ہاشم پر آپ کا سلسلۂ نسب ملتا ہے لہذا آپ ہاشمی اور قرشی ہیں۔

ولادت ووفات:۔ آپ کے والد محترم نے مکہ مکرمہ سے کسب معاش کے لئے ہجرت فرما کر فلسطین کے ''غزہ'' نامی شہر کا رخ کیا۔اور غزہ میں سکونت اختیار کر لی اسی شہر کے اندر ۱۵۰ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔کہتے ہیں کہ آپ کی ولادت خاص اسی دن ہوئی کہ جس دن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کا وصال ہوا۔

حضرت امام مزنی رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو میں ان کے پاس تھا،میں نے پوچھا کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا دنیا سے روانگی اور احباب سے جدا ہونے کا وقت ہے،موت کا پیالہ پیش ہونے والا ہے،نتیجہ اعمال نکلنے والا ہے،بہت جلد اللہ تعالی کے دربار میں حاضری ہوگی،کون جانے میری روح کدھر لے جائی جائے گی۔اور آپ اس وقت وجد میں یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

تعا ظمنی ذنبی فلما قرنته

بعفوک ربی کان عفوک اعظما

یعنی میرے گناہ بہت بڑے ہیں لیکن اے میرے رب جب میں تیری رحمت اور تیرے عفووکرم کی طرف نظر کرتا ہوں تو تیری بخشش میرے گناہوں کی نسبت کہیں زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

آپ کا وصال ۳۰/رجب المرجب ۲۰۴ھ بروز جمعہ بعد نماز مغرب ہوا، آپ کا مزار مبارک مصر میں زیارت گاہ عوام وخواص ہے، آپ کے علمی وروحانی فیوض وبرکات کا دریا آج بھی رواں دواں ہے۔

پرورش وپرداخت:۔ آپ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت عبداللہ ہیں۔ جو حضرت حسن مثنی رضی اللہ تعالی عنہ کی پوتی اور سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پرپوتی تھیں۔ بچپن سے ہی علوم وفنون کی طرف توجہ شروع کردی تھی، ابتداءً شعر ولغت اور تاریخ عرب کی طرف توجہ تھی، اس کے بعد تجوید وقراءت اور حدیث وفقہ کی تحصیل شروع کی۔ بارہ سال کی عمر تک پہونچنے سے قبل مؤطا امام مالک کو حفظ کرلیا تھا۔ اس کے بعد امام محمد رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت میں پہونچے اور ان کے سامنے مؤطا کی قراءت کی۔ آپ علوم دینیہ کی طرف اپنے رجحان کا واقعہ خود اس طرح بیان فرماتے تھے:

ایک دن میں ذوق وشوق سے لبید کے اشعار پڑھ رہا تھا کہ ناگاہ نصیحت آمیز غیبی آواز آئی ''اشعار میں پڑکر کیوں وقت ضائع کرتے ہو جاؤ جاکر فقہ کا علم حاصل کرو''۔ فرماتے ہیں میرے دل پر اس بات کا بڑا اثر ہوا اور میں نے مکہ جاکر سفیان بن عیینہ کی درسگاہ میں حاضری دی، ان کے بعد مسلم بن خالد زنجی اور پھر مدینہ طیبہ حضرت امام مالک کی خدمت میں پہونچا۔

لیکن آپ پر آپ کے اساتذہ میں سے حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رنگ غالب تھا۔ چونکہ امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ کی والدہ سے امام محمد نے نکاح کرلیا تھا اس لئے آپ نے اپنا تمام مال اور کتابیں امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ کے حوالہ کردی تھیں۔ امام محمد کی تصانیف کے مطالعہ سے ہی آپ میں فقاہت کا ملکہ پیدا ہوا۔

اسی فیضان سے متأثر ہوکر امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: جوشخص فقہ میں نام کمانا چاہتا ہے وہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب سے استفادہ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے استنباط مسائل اور استخراج احکام کی راہیں ان لوگوں پر کشادہ کردی ہیں۔ نیز فرماتے ہیں: قسم بخدا مجھے فقاہت ہرگز نصیب نہ ہوتی اگر میں امام محمد کی کتب کا مطالعہ نہ کرتا جس کا فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان ہے وہ امام محمد بن حسن شیبانی ہیں۔

امام احمد ابن حنبل رضی اللہ تعالی عنہ

نام ونسب: ۔آپ کا نام احمد بن حنبل، اور کنیت ابوعبداللہ اور والد کا نام محمد ہے۔آپ کا تعلق خالص عربی قبیلہ ''شیبان'' سے ہے۔آپ کا نسب شریف حضرت امام بیہقی رضی اللہ تعالی عنہ''مناقب احمد''میں اپنے شیخ حضرت ابوعبداللہ حاکم صاحب مستدرک سے یوں نقل کرتے ہیں:

''أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسدبن ادريس بن عبدالله بن حيان بن عبدالله بن أنس بن عوف بن قاسط بن مازن بن شيبان بن ذهل بن ثعلبة بن عكّابة بن صعب بن على بن بكر بن وائل بن قاسط بن هنب بن اقصى بن دعمى بن جديلة بن اسد بن ربيعة بن نزاربن معدٍّ بن عدنان بن ادِّبن اُدد بن الهميسع بن حمل بن النبت بن قيداربن اسماعيل بن ابراهيم الخليل عليهماالسلام (البداية والنهاية: ابن كثير ج/١٠ ص: ٣٢٠)

آپ کا یہ وہ ارفع واعلی اور مبارک ومسعود شجرۂ نسب ہے، جسے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب سے ملنے کا شرف حاصل ہے۔اور یہ مبارک سلسلہ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کے جد امجد نزار بن معد بن عدنان سے ملتا ہے۔ نزار کے دو بیٹے تھے، مضر اور ربیعہ، مضر کی نسل پاک سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور ربیعہ کی نسل سے امام احمد ابن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

ولادت اور تعلیم و تربیت:۔ آپ کے والد محمد بن حنبل مرو سے بغداد آکر اقامت پذیر ہوئے۔ اور آپ کی پیدائش بغداد شریف کے اندر ماہ ربیع الاول ۱۶۴ھ میں ہوئی۔ (ابن حنبل حیاتہٗ وعصرہٗ. آراءہٗ وفقھہٗ ص:۱۶) آپ کی عمر تین برس تھی کہ آپ کے سر سے آپ کے والد بزرگ وار کا سایہ اٹھ گیا تھا۔ آپ کی کفالت آپ کی والدہ محترمہ نے کی۔

کم عمری میں ہی آپ نے قرآن شریف حفظ کر لیا تھا۔ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں ''میں ابھی بالکل بچہ ہی تھا کہ حفظ قرآن سے فارغ ہو گیا۔ چودہ سال کا تھا کہ تحریر و کتابت کی مشق و تحصیل مین منہمک ہو گیا''۔ (المناقب لابن الجوزی ص:۲۱) ابتدائی تعلیم کے بعد آپ سب سے پہلے حضرت امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے۔ لیکن بعد میں علم حدیث کی جانب متوجہ ہوئے اور ۱۵/سال کی عمر ۱۷۹ھ میں احادیث کا سماع کرنے کے لئے بغداد کے مشہور شیخ ہیثم کی خدمت میں حاضری دی۔ اسی سال حضرت عبداللہ بن مبارک بغداد تشریف لائے، جب حضرت امام احمد کو ان کا علم ہوا، تو ان کی مجلس میں پہونچے، وہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ وہ طرطوس جا چکے ہیں۔ اس کے بعد وہ بغداد واپس نہیں آئے اور دو سال کے بعد ان کا وہیں وصال ہو گیا۔ امام ہیثم کی وفات کے بعد آپ نے بغداد کے علاوہ دوسرے شہروں کا رخ کیا مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بصرہ، شام، یمن اور جزیرہ کے مشائخ وقت سے سماع حدیث کیا۔

فضل وکمال اورزہدوتقویٰ:۔ آپ ایک جامع صفات شخصیت اور گونہ گوں خوبیوں کے حامل، درویش صفت، متقی، پرہیزگار، صالح اور نیک طبیعت، خوش اخلاق کے حامل تھے آپ کے علم وفضل، زہدوتقویٰ، اورابتلاء وامتحان میں استقامت وکامیابی پرآپ کے ہم عصراکابربھی دادتحسین دیئے بغیر نہ رہ سکے۔حضرت امام ابوداؤدرضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:۔ ''میں نے دوسو ماہرین علم سے استفادہ کیا لیکن ان میں امام احمد کے مثل کوئی نہ تھا۔وہ کبھی عام دنیاوی کلام نہیں کرتے تھے'' (البدایۃ والنہایۃ جلد ۱۰،ص:۴۳۵)۔ ابوعبداللہ سجستانی بیان کرتے ہیں:۔ ''میں ایک مرتبہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، پوچھا حضور ہم اس زمانے میں کس کی اقتداء کریں؟ فرمایا احمد بن حنبل کی'' آپ کے استاذ یحییٰ بن سعید قطان فرماتے تھے: ''بغداد میں جولوگ آئے سب میں مجھے احمد بن حنبل زیادہ محبوب ہیں''۔بیہقی نے امام مزنی سے،انہوں نے شافعی سے روایت کی ہے، کہ امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ نے رشید سے کہا کہ یمن کوایک قاضی کی ضرورت ہے، رشید نے کہا کسی کو چنو تاکہ یمن کا قاضی بنا دیں، تو حضرت امام شافعی نے حضرت امام احمد بن حنبل سے کہا جوآپ کے منجملہ شاگردوں میں تھے۔ ''کیا آپ یمن کی قضا قبول کریں گے''؟ آپ نے اس پیش کش کوسرے سے ٹھکرا دیا اور امام شافعی سے فرمایا: میں آپ کے پاس صرف علم کی بنیاد پرآتا ہوں اور آپ مجھے یمن کا قاضی بنانا چاہتے ہیں۔امام بیہقی کہتے ہیں کہ خلیفہ متوکل آپ کے لئے انواع واقسام کے ماکولات ومشروبات سے سجا دسترخوان بھیجا کرتا تھا لیکن آپ اس میں سے کچھ بھی تناول نہیں فرماتے تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۱۰،ص:۴۲۰۔۴۲۳) اس طرح کے بیشمار واقعات اور مثالیں آپ کے زہدوتقویٰ اور علم وفضل سے متعلق ہیں۔جن کی یہاں گنجائش نہیں۔

سفر آخرت: ۔حضرت امام احمد ابن حنبل رضی اللہ تعالی عنہ کا انتقال مختصر سی علالت کے بعد بروز جمعہ مبارکہ ۱۲/ربیع النور ۲۴۱ھ میں ہوا، آپ نے ۷۵/برس کی عمر پائی اور شہدا کے قبرستان (مقابر شہدا) میں حرب دروازے کے قریب مدفون ہوئے۔''آپ کی نماز جنازہ میں بے شمار مردوں اور عورتوں نے شرکت کی۔ امیر محمد بن طاہر نے مردم شماری کا حکم دیا تو آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کرنے والوں کی تعداد تیرہ لاکھ تھی۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ سات لاکھ تھی''۔(البدایۃ والنہایۃ جلد/۱۰ص:۳۳۶)

خلافت عباسیہ کے تقریبا سو(۱۰۰) ارباب اقتدار بھی موجود رہے۔آپ کی نماز جنازہ نائب شہر محمد بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ نے پڑھائی، بھیڑ کی وجہ سے آپ کی کئی بار نماز جنازہ پڑھی گئی بلکہ بعد تدفین قبر پر بھی پڑھی گئی،لوگوں کی کثرت کے سبب تدفین کی کاروائی نماز عصر کے بعد تک چلتی رہی۔ ۵۷۴ھ میں خلیفہ مستضی نے اس پر ایک کتبہ لگوا دیا جس میں اس یگانۂ روزگار محدث کو حدیث کے زبردست ترین حامی کے طور پر بہت سراہا گیا۔لیکن افسوس آٹھویں صدی ہجری/چودھویں صدی عیسوی میں دریائے دجلہ کے ایک سیلاب میں یہ مقبرہ بہہ گیا۔

مختصر حالات اصحاب امام اعظم

امام حماد بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔ آپ کی کنیت ابو اسمعیل تھی۔ آپ بڑے عابد، زاہد، متقی، بلند پایہ فقیہ اور تقوی و پرہیزگاری، فضل و کمال، علم و دانش اور جود و سخا میں اپنے والد محترم کے مظہر کامل تھے۔

ابتدائی تعلیم کے بعد امام حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث وفقہ کی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی اور اس میں کمال و مہارت پیدا کرنے کے بعد آپ اپنے والد ماجد کے زمانے میں ہی فتویٰ دینے لگے تھے۔ آپ کا شمار امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، اور حسن بن زیاد وغیرہم کے طبقہ سے ہوتا ہے۔ آپ فقہی کتابوں کی تدوین میں بھی ان کے ساتھ رہے۔ آپ کی پوری عمر تعلیم و تعلم میں صرف ہوئی، آپ کے صاحبزادے قاضی اسمعیل نے آپ سے ہی تفقہ حاصل کیا۔ قاسم بن معن کی وفات کے بعد آپ کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ اور ذیقعدہ ۱۷۶ھ میں آپ نے وصال فرمایا۔

امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نام و نسب:۔ آپ کا نام یعقوب، کنیت ابو یوسف اور لقب قاضی القضاۃ ہے۔ اسلام میں سب سے پہلے قاضی القضاۃ کے لقب سے آپ ہی مشہور ہوئے۔ خلفائے عباسیہ میں سے تین خلیفہ ایسے ہیں کہ جن کے دور خلافت میں آپ قاضی رہے۔ خلیفہ مہدی، ان کے بیٹے خلیفہ ہادی اور ان کے بھائی خلیفہ ہارون رشید کی طرف سے آپ عہدۂ قضا پر

مامور تھے۔ ہارون رشید آپ کی بہت زیادہ تعظیم وتوقیر کرتا تھا۔ عہدۂ قضا قبول کرنے کے بعد آپ کی عبادت میں کمی ہوگئی تھی، لیکن اس وقت بھی آپ روزانہ دوسو رکعت نفل نماز پڑھا کرتے تھے۔ (شذرات الذہب جلد اول ص: ۴۷۸)

آپ کی ولادت باسعادت علم وادب کے گہوارہ شہر کوفہ میں ہوئی تھی۔ تحصیل علم آپ نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کی عنایتوں سے کیا۔ چونکہ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے علم فقہ کو پسند کیا اس لئے آپ شیخ عبدالرحمٰن بن ابی یعلی کی شاگردی میں پہونچے۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حلقہ درس میں آئے اور مستقلاً ان ہی سے وابستہ ہوگئے۔ لیکن والدین کی غربت آپ کی تعلیم کے لئے مانع ہو رہی تھی، جب امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کو اس کا علم ہوا تو نہ صرف آپ کے تعلیمی مصارف، بلکہ تمام گھر والوں کے اخراجات کی کفالت اپنے ذمہ میں لے لی۔ اس طرح آپ علم وفضل کی دنیا میں درخشندہ ستارہ بن کر چمکے۔ یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل اور امام محمد بن حسن شیبانی وغیرہ آپ کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے۔ آپ نے انتیس برس تک امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ کبھی بھی تکبیر تحریمہ فوت نہ ہوئی اور امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ میں برابر شریک رہے۔ آپ تفسیر، حدیث اور ایام عرب میں ضرب المثل تھے۔ اصول فقہِ حنفی کے مرتب بھی آپ ہی ہیں۔ سب سے پہلے امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے علمی وفقہی جواہر پاروں کو آپ ہی نے ملک میں شائع کیا۔ آپ کی تصانیف میں کتاب الخراج اور امالی، کتاب الآثار وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ ۱۸۲ھ میں وصال فرمایا آپ کا مزار مقدس بغداد شریف میں ہے۔

امام محمد رضی اللہ تعالی عنہ

نام ونسب:۔ آپ کا نام محمد، کنیت ابوعبداللہ اور والد کا نام حسن ہے"اصل میں آپ کے آباء واجداد ملک شام کے تھے آپ حلیم وشمیم اور بڑے ذکی الطبع وذہین تھے۔ آپ کے والد محترم حسن بن فرقد شیبانی شام سے عراق میں آئے اس وقت امام محمد کی پیدائش شہر واسط میں ہوئی اور کوفہ میں نشوونما پائی"۔ (تاریخ بغداد جلد دوم ص:۱۶۹)

تعلیم:۔ آپ نے علم حدیث امام مالک، مالک بن دینار، امام ابویوسف اور مسعر بن کدام، اوزاعی وثوری وغیرہ سے حاصل کیا۔ (تاریخ بغداد جلد دوم ص:۱۶۹) علم فقہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالی عنہما سے سیکھا۔ آپ جب حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت میں آئے اس وقت آپ کی عمر چودہ سال تھی، آپ نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ سے دریافت کیا کہ ایک نابالغ لڑکا اگر عشا کی نماز پڑھ کر سو جائے اور فجر سے پہلے بالغ ہو جائے تو وہ نماز عشا دہرائے گا یا نہیں؟ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا دہرائے گا۔ یہ سن کر آپ نے اسی وقت اٹھ کر ایک گوشے میں نماز ادا فرمائی۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ دیکھ کر بے ساختہ فرمایا ان شاء اللہ یہ لڑکا نیک بخت ثابت ہوگا۔ (تاریخ بغداد جلد دوم ص:۱۷۰) جب آپ سے باقاعدہ پڑھنے کے متعلق عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ پہلے حفظ کر لو اس کے بعد آنا۔ سات دنوں کے بعد حاضر خدمت ہو گئے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: میں نے کہا تھا کہ قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد آنا۔ عرض کی حضور میں نے قرآن شریف حفظ کر لیا ہے۔ امام صاحب نے آپ کے والد کو امام محمد رضی اللہ

تعالی عنہ کے سر کے بال منڈانے کا حکم دیا۔ بال منڈانے کے بعد آپ کا حسن دوبالا ہو گیا۔

مذہب حنفیہ کو مدون کرنے میں آپ نے بے پناہ محنت کی جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر، سیر کبیر، مبسوط اور زیادات آپ کی مشہور تصانیف ہیں کہ جن کو اصول کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ہارونیات و کیسانیات وغیرہ متعدد کتب آپ کی طرف منسوب ہیں۔

حضرت امام محمد رضی اللہ تعالی عنہ نے اس دنیا میں اٹھاون سال عمر گزار کر ۱۸۹ھ میں وصال فرمایا۔

امام زفر رضی اللہ تعالی عنہ

نام و نسب: ۔ آپ کا نام زفر اور والد کا نام ہذیل اور آپ کا وطن کوفہ ہے۔ آپ کے آباء واجداد اصفہان کے باشندے تھے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: زفر بن ہذیل بن قیس بن سلیم ابن مکمل بن قیس بن ذھل بن ذویب عنبری اصبہانی۔ (شذرات الذہب جلد اول ص:۳۹۶، لمحات النظر فی سیرۃ الامام زفر ص:۳۰)

آپ امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے تلامذہ میں سے بڑے صائب الرائے، جلیل القدر فقیہ، عابد اور محدث تھے، زہد و عبادت اور قیاس میں بے نظیر تھے۔ امام زفر رضی اللہ تعالی عنہ کو بہت مجبور کیا گیا کہ عہدۂ قضا قبول کریں مگر آپ روپوش ہو گئے اور کسی بھی طرح عہدۂ قضا قبول نہیں کیا۔ ۱۵۸ھ میں آپ کی وفات ہو گئی۔

امام عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نام ونسب :۔آپ کا اسم گرامی عبداللہ، والد ماجد کا نام مبارک اور کنیت عبدالرحمٰن ہے۔آپ کے والد ترکی النسل تھے۔آپ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے والدین کریمین نے آپ کی بڑے اہتمام کے ساتھ تعلیم وتربیت کی۔سب سے پہلے آپ نے علم فقہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا۔

فقہ میں عبور حاصل کرنے کے بعد علم حدیث کی طلب میں دورو دراز کی سیر وسیاحت کی اور بے شمار ائمۂ حدیث سے اکتساب فیض کیا۔آپ کے علمی ذوق میں یہ واقعہ مشہور ہے: ایک مرتبہ آپ کے والد ماجد نے آپ کو پچاس ہزار درہم تجارت کے لئے دیئے تو تمام رقم کو طلب حدیث میں صرف کردیا واپسی پر والد ماجد نے درہموں کے سلسلہ میں معلوم کیا تو آپ نے جس قدر حدیث کے دفتر لکھے تھے والد ماجد کے حضور پیش کردیئے اور عرض کیا: میں نے ایسی تجارت کی ہے، جس سے ہم دونوں کو دونوں جہاں کا نفع حاصل ہوگا۔ والد ماجد بہت خوش ہوئے،تیس ہزار درہم اور عنایت کرکے فرمایا: جاؤ علم حدیث اور فقہ کی تعلیم میں خرچ کرکے اپنی تجارت کامل کرلو۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ سے بڑے بڑے علما نے اکتساب فیض کیا۔ان میں سے ’’یحییٰ بن معین، عبدالرحمٰن بن مہدی اور ابوبکر بن ابی شیبہ اوران کے بھائی عثمان بن ابی شیبہ اور امام احمد بن حنبل وغیرہم ہیں‘‘۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۱۰/ص ۴۱۸) بیس ہزار لوگوں کو حدیث کا درس دیا۔آپ کو علم حدیث، فقہ، عربیت، ایام عرب، اور شجاعت وسخاوت کا ملکہ حاصل تھا۔امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے آپ کی بہت تعریفیں کی ہیں۔آپ کی روایت کردہ احادیث صحیحین میں بکثرت موجود

ہیں۔

۱۸۱ھ میں آپ جہاد کے لئے روانہ ہوئے، فتح وکامرانی کے بعد رمضان المبارک کے مہینہ میں واپس آرہے تھے کہ قصبہ سوس میں آکر علیل ہوگئے اور چند ایام کی مختصر علالت کے بعد ۱۸۱ھ میں ہی آپ کا وصال ہوگیا۔ دریائے فرات کے کنارے ایک گاؤں ''ہیت'' میں مدفون ہوئے۔ آپ کا مزار مقدس آج بھی مرجع عوام وخواص ہے۔(تاریخ بغداد جلد ۱۰ص:۱۶۶)

فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالی عنہ

نام ونسب:۔ آپ کا نام فضیل، والد کا نام عیاض اور کنیت ابوعلی ہے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: ''فضیل بن عیاض بن مسعود بن بشر تمیمی یربوعی ابوعلی زاہد خراسانی'' (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص:۴۸۲)

تعلیم وتربیت:۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب جوانی کا رنگ غالب ہونا شروع ہوا تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی خدمت میں رہ کر علوم وفنون خصوصاً فقہ میں مہارت حاصل کی۔ حدیث میں دیگر محدثین عظام سے بھی اکتساب فیض کیا اور مکہ مکرمہ میں مسند حدیث پر فائز ہوکر وہاں کی مجاورت اختیار فرمائی۔ امام عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: ''آپ لوگوں میں سب سے زیادہ پرہیزگار تھے۔ میرے نزدیک آپ سے زیادہ فضیلت والا

اب روئے زمین پر کوئی نہیں"۔ آپ نے مکہ مکرمہ میں ۱۸۷ھ میں وصال فرمایا۔ مادۂ تاریخ وصال "امام عادل" ہے۔

۱۸۷

حسن بن زیاد لولوئی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت حسن بن زیاد لولوئی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفی انصاری موالی میں سے ہیں۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجلۂ تلامذہ سے تھے محبّ سنت، حافظ احادیث اور بے مثال فقیہ تھے۔ ابن سماعہ کہتے ہیں کہ میں نے حسن بن زیاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فرماتے سنا کہ میں نے ابن جریح سے بارہ ہزار ایسی احادیث سنی ہیں کہ جن کی فقہ کو ضرورت ہے۔ احمد بن عبد الحمید کا قول ہے کہ حسن بن زیاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے زیادہ اچھے اخلاق کا مالک اور آسودہ حال میری نظر سے کوئی نہیں گزرا۔ آپ جو لباس خود پہنتے تھے وہی اپنے خادموں کو پہناتے تھے۔ حضرت حسن بن زیاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خود فرماتے ہیں جب میں مکہ مکرمہ حاضر ہوا وہاں ایک مقام پر کچھ لوگ یحییٰ بن سلیم طائفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے امام ابن جریح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "**المناسک**" کا درس لے رہے تھے، اثنائے درس یحییٰ بن سلیم طائفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہنے لگے یہ سب باتیں میں نے عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سیکھی ہیں اور پھر اس کے بعد انہوں نے حضرت عطا کی تعریفوں کے پل باندھنے شروع کر دیئے۔ ساتھ میں یہ بھی کہہ دیا "کہاں ابو حنیفہ اور کہاں عطا؟ ابو حنیفہ کو بھلا ان مسائل کا کیا علم"۔

حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا اب تمہارے بولنے کا وقت آ گیا ہے۔ میں نے ان کی خدمت میں عرض کی جناب اللہ تعالیٰ آپ پر رحم

کرے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ تو اب ہم میں موجود نہیں ہاں البتہ مجھے ان کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ان مسائل میں گفتگو کے لئے تیار ہوں۔ انہوں نے نام پوچھا۔ میں نے کہا میرا نام حسن بن زیاد ہے۔ انہوں نے کہا آپ کو بولنے کی اجازت نہیں۔ حضرت حسن بن زیاد لولوئی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کہتے ہیں کہ اگر وہ مجھے اجازت دیدیتے تو میں انہیں دنیا کے لئے عبرت کا نمونہ بنا دیتا۔

(مقامات امام اعظم للکردری مترجم جلد دوم ص/۵۹۸)

حضرت حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ نے عہدۂ قضا قبول کیا تھا مگر پھر استعفیٰ دیدیا۔ محمد بن سماعہ، محمد بن شجاع ثلجی اور رازی وغیرہ ائمہ علم وفن رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے آپ سے تلمذ حاصل کیا۔ آپ کو ۲۰۰ھ کا مجدد بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کی تصانیف سے کتاب المجرد اور کتاب الامالی یادگار ہیں۔ حافظ ابوبکر بن خطیب بغدادی نے ذکر کیا کہ ''حسن بن زیاد اور حسن بن ابی مالک ان دونوں حضرات کی وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی''۔ (تاریخ بغداد جلد/۷ ص:۳۲۸)

یحییٰ بن سعید قطان رضی اللہ تعالی عنہ

نام ونسب اور تعلیم وتربیت:۔ آپ کا نام یحییٰ اور کنیت ابوسعید، والد کا نام سعید بن فروخ ہے۔ آپ تیمی بصری ہیں اور قطان سے مشہور ہیں۔ عمر بن علی کہتے ہیں میں نے یحییٰ ابن سعید کو کہتے ہوئے سنا ''میں ۱۲۰ھ کے اوائل میں پیدا ہوا''۔ (تاریخ بغداد جلد/۱۴

ص:۱۴۰)ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد آپ نے فقہ وحدیث کی تعلیم حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاصل کر کے آپ کی قائم کردہ مجلس شوریٰ میں ایک رکن کی حیثیت حاصل کرلی۔

آپ کے اساتذہ میں امام اعظم ابوحنیفہ، اسمٰعیل بن ابی خالد، سلمان تیمی ،عبد اللہ بن عمرو، حمید الطّویل، امام مالک ، امام اوزاعی، امام سفیان ثوری، عثمان بن غیاث وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔

آپ کا وصال پر ملال ۱۹۸ھ میں ہوا اس وقت آپ کی عمر اٹھتر سال تھی۔

طبقات فقہائے کرام

ماہرین فقہ نے فقہائے کرام کو حسب ذیل سات طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

ا۔ مجتہد فی الشرع:۔ یہ فقہائے کرام کا وہ مقدس طبقہ ہے کہ جس کو اصولی قواعد کی تاسیس کتاب وسنت اور اجماع وقیاس سے فروعی احکام کے استنباط واستخراج کی ذاتی سطح پر استعداد حاصل ہوتی ہے۔ یہ حضرات اصول وفروع میں کسی کے محتاج نہیں ہوتے جیسے:

ا۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ — م ۱۵۰ھ

۲۔ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالی عنہ — م ۱۷۹ھ

۳۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ — م ۲۰۴ھ

۴۔ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہ وغیرہ۔ — م ۲۴۱ھ

۲۔ مجتہد فی المذہب:۔ یہ فقہائے کرام کا وہ مقدس طبقہ ہے کہ جس میں مجتہد مطلق کی ساری خوبیاں موجود ہوتی ہیں، لیکن یہ حضرات اپنے آپ کو اصول میں کسی مجتہد مطلق کا تابع رکھتے ہیں اور ان کے بنائے ہوئے اصول کی روشنی میں کتاب وسنت اور اجماع وقیاس سے مسائل شرعیہ کے استخراج کی صلاحیت رکھتے ہیں یعنی اصول میں مقلد اور فروع میں مجتہد ہوتے ہیں۔ جیسے:

۱۔حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالی عنہ م ۱۸۲ھ

۲۔حضرت امام محمد رضی اللہ تعالی عنہ م ۱۸۹ھ

۳۔حضرت امام عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالی عنہ م ۱۸۱ھ

۴۔حضرت امام حسن بن زیاد رضی اللہ تعالی عنہ م ۲۰۴ھ

۵۔حضرت امام زفر رضی اللہ تعالی عنہ م ۱۵۸ھ

وغیرہ تلامذۂ امام اعظم نوراللہ مرقدھم۔

۳۔مجتہد فی المسائل:۔ یہ فقہائے کرام کا وہ گروہ ہے کہ جو اصول وفروع دونوں میں مجتہد مطلق کے تابع ہوتا ہے۔اور یہ حضرات مجتہد مطلق کے وضع کئے ہوئے اصول وفروع کی روشنی میں ایسے مسائل کا استنباط واستخراج کر سکتے ہیں کہ جن کے متعلق ائمۂ مذہب سے کوئی روایت نہیں ملتی۔جیسے:

۱۔حضرت امام ابوبکر خصاف رضی اللہ تعالی عنہ م ۲۶۱ھ

۲۔حضرت امام ابوجعفر طحاوی رضی اللہ تعالی عنہ م ۳۲۱ھ

۳۔حضرت امام ابوالحسن کرخی رضی اللہ تعالی عنہ م ۳۴۰ھ

۴۔حضرت امام شمس الائمہ حلوانی رضی اللہ تعالی عنہ م ۴۵۶ھ

۵۔حضرت امام شمس الائمہ سرخسی رضی اللہ تعالی عنہ م ۵۵۰ھ

۶۔حضرت امام فخر الاسلام بزدوی رضی اللہ تعالی عنہ م ۴۸۲ھ

۷۔حضرت امام فخر الدین رازی قاضی خاں رضی اللہ تعالی عنہ م ۵۹۲ھ

۴۔اصحاب تخریج:۔ یہ فقہائے کرام کا وہ طبقہ ہے کہ جو اجتہاد واستنباط کی مستقلا

قدرت نہیں رکھتا مگر ائمۂ مذہب کے وضع کردہ تمام اصول وفروع پر کامل دستگاہ حاصل ہوتی ہے کہ جن کی روشنی میں یہ حضرات مجمل کی تشریح اور محتمل کی تعیین مثالوں کی روشنی میں کر سکتے ہیں۔ جیسے: حضرت امام ابو بکر احمد بن علی رضی اللہ تعالی عنہ۔

۵۔ اصحاب ترجیح:۔ فقاہت کے اعتبار سے یہ حضرات اصحاب تخریج سے کم درجہ رکھتے ہیں اور ائمہ مذہب سے منقول روایات میں سے اصول وفروع کی روشنی میں بعض مسائل کو دوسرے بعض مسائل پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے:

۱۔ حضرت امام ابو الحسن قدوری رضی اللہ تعالی عنہ م ۴۲۸ھ

۲۔ صاحب ہدایہ حضرت امام ابو بکر احمد بن علی مرغینانی رضی اللہ تعالی عنہ م ۵۹۳ھ

وغیرہ۔ یہ حضرات وقت ترجیح "ھذا اولیٰ، ھذا اصح، ھذا اوضح، ھذا اوفق بالقیاس، ھذا ارفق بالناس" جیسے جملے استعمال کرتے ہیں۔

۶۔ اصحاب تمییز:۔ فقہائے کرام کا یہ گروہ اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ وہ مذہب کے قوی وضعیف اور مقبول ومردود اقوال میں تمیز کرے۔ ظاہر الروایہ اور نادر روایات میں امتیاز پیدا کرے۔ جیسے اصحاب متون معتبرہ صاحب مختار، صاحب وقایہ اور صاحب مجمع وغیرہ۔

۷۔ مقلدین محض:۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن میں مذکورہ بالا کوئی بھی صلاحیت نہ پائی جاتی ہو ایسے لوگوں کا ذاتی قول قابل عمل نہیں ہو سکتا۔ یہ حضرات صرف ائمۂ مذہب کے

اقوال نقل کر سکتے ہیں۔جیسے موجودہ دور کے صاحبان فقہ۔(مقدمۂ ردالمحتار جلداول ص:۱۷۸،۱۷۹)

طبقات کتب/مسائل

حنفی فقہائے کرام کی طرح کتب احناف/مسائل احناف کے بھی طبقات ہیں۔ علمانے ان کے تین طبقے بیان کئے ہیں۔(۱) کتب/مسائل اصول (۲) کتب/مسائل نوادر (۳) کتب/مسائل واقعات۔

۱۔کتب/مسائل اصول:۔کتب اصول ہی کو ظاہر الروایہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔اس طبقہ میں وہ کتابیں اور وہ روایات شامل ہیں کہ جو اصحاب مذہب سے منقول ہیں۔حنفی ائمہ ثلثہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور حضرت امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات اسی زمرے میں آتی ہیں۔اس میں حضرت امام زفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امام حسن بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ تلامذۂ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات کا بھی شمار ہوتا ہے۔لیکن عام طور سے ظاہر الروایہ کا اطلاق حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درج ذیل چھ تصانیف پر ہوتا ہے:

(۱) مبسوط کہ جس کو اصل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔اور یہ غالباً حضرت امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتابوں میں سب سے زیادہ ضخیم ہے۔(۲) جامع صغیر یہ کتاب ایک ہزار

پانچ سوبتیس (۱۵۳۲) مسائل پر مشتمل ہے۔اس میں ان روایات کو جمع کیا ہے جو کہ آپ نے حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطہ سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہیں۔(۳) جامع کبیر اس میں آپ نے ان روایات کو ذکر کیا ہے کہ جن کو بلا واسطہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (۴) زیادات (۵) سیر صغیر (۶) سیر کبیر۔اس کے علاوہ بھی حضرت امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دیگر کتابیں ہیں مثلاً کیسانیات، رقیات، ہارونیات، نوادر، جرجانیات وغیرہ۔

۲۔کتب/مسائل نوادر:۔اس کے ذیل میں اصحاب مذہب کی وہ روایات آتی ہیں کہ جن کا ذکر حضرت امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ چھ کتابوں میں نہ ہو۔جیسے حضرت امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ چھ کتابوں کے علاوہ دیگر کتابیں اور ان کے مسائل۔حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب الامالی، حضرت امام حسن بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی المجرد وغیرہ۔

۳۔کتب/مسائل واقعات:۔کتب فتاوی اور واقعات ان کتابوں کو کہا جاتا ہے کہ جن کو متأخرین یعنی ائمۂ ثلاثہ کے بعد والے طبقہ نے روایت یا تصنیف کیا ہو۔جیسے امام فقیہ ابواللیث سمرقندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب النوازل اور دیگر حضرات کی مجموع النوازل، واقعات الناطفی، واقعات صدر الشہید۔واقعات اصل میں فتاوی یا قضایا کے مجموعے ہوتے ہیں۔(مقدمۂ ردالمحتار جلد اول ص:۱۷۰)

متون کا بیان

فقہ میں متون، شروح اور فتاویٰ کا حال ویسا ہی ہے جیسا کہ حدیث میں صحاح، سنن اور مسانید کا ہے۔ مختصر امام طحاوی، مختصر امام کرخی، مختصر امام قدوری، کنز الدقائق، وافی، وقایہ، نقایہ، اصلاح، مختار، مجمع البحرین، مواہب الرحمٰن، ملتقی وغیرہ کو متون میں شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن جب مطلقا متون بولا جاتا ہے تو اس سے متون ثلٰثہ وقایہ، مختصر قدوری اور کنز الدقائق مراد ہوتی ہیں۔ اور بعض متأخرین کے نزدیک متون اربعہ وقایہ، کنز الدقائق، مختار اور مجمع البحرین مراد ہوتی ہیں۔ فقہائے کرام نے کہا کہ تعارض کے وقت ان پر اعتماد کیا جائے کیونکہ ان کے مصنفین بڑے جلیل القدر فقیہ تھے کہ جنہوں نے اس کا التزام کرلیا تھا کہ اس میں ظاہر الروایہ کے اقوال اور مشائخ کے معتمد مسائل ہی بیان کئے جائیں گے اس کے سوا کچھ نہ درج کیا جائے گا۔ اسی کو تصحیح التزامی کہتے ہیں۔

وقایہ: ۔ اس کے مصنف امام تاج الشریعہ محمود بن صدر الشریعہ احمد ابن عبید اللہ جمال الدین عبّادی محبوبی بخاری علیہ الرحمہ ہیں۔ آپ نے اپنے والد صدر الشریعہ احمد سے علم حاصل کیا۔ شرح وقایہ کو آپ نے ہدایہ سے منتخب کر کے اپنے چھوٹے پوتے صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ محمود کے لئے تصنیف فرمایا تھا۔ صاحب شرح وقایہ عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ نے اپنے دادا سے علم فقہ حاصل کیا تھا۔

مختصر قدوری: ۔ اس کتاب کے مصنف امام ابو الحسین قدوری ہیں۔ نسب نامہ اس طرح ہے: ابو الحسین احمد بن ابی بکر محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان بغدادی قدوری۔

آپ ۳۶۲ھ کو بغداد شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے وقت کے عظیم فقیہ تھے۔ اس دار فانی میں ۶۶ رسال عمر گزار کر ۴۲۸ھ کو رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ آپ کی وفات کی تاریخ کا مادہ ''لامع النور'' ہے۔

کنز الدقائق :۔ اس کے مصنف امام ابو البرکات حافظ الدین عبداللہ بن احمد بن مسعود نسفی ہیں۔ اصول وفروع میں آپ اپنے زمانہ میں یکتا تھے کوئی آپ کا ہمسر نہیں تھا۔ آپ نے علم فقہ صاحب ہدایہ کے شاگرد شمس الائمہ کردری سے حاصل کیا۔

مختار :۔ اس کے مصنف امام ابو الفضل مجد الدین عبداللہ بن محمود بن مودود موصلی ہیں۔ یہ مشہور فتاوی کے حافظ، اصول وفروع کے مدرس وعارف اور بے مثال فقیہ وشیخ تھے۔ آپ کا شمار اکابر علمائے کرام میں ہوتا تھا۔ ۵۹۹ھ کو موصل میں پیدا ہوئے اور مختصرات اپنے والد ابو الثنا محمود سے پڑھیں۔ اس کے بعد دمشق پہونچ کر جمال الدین حصیری سے دیگر علوم وفنون حاصل کئے۔ پھر وطن کو واپس ہونے کے بعد قاضی کوفہ ہوگئے۔ معزول ہوجانے کے بعد بغداد چلے گئے۔ وہاں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مقدس پر مقیم ہوکر درس وتدریس میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ وہیں ۶۷۳ھ میں انتقال فرمایا۔ جوانی کے عالم میں یہیں متن فقہ یعنی مختار کو تصنیف کیا پھر خود ہی اس کی شرح لکھی۔

مجمع البحرین :۔ اس کتاب کے مصنف صاحب کنز کے شاگرد، امام مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب بغدادی حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ متوفی ۶۹۴ھ ہیں۔ آپ ابن ساعاتی کے

لقب سے بھی مشہور ہیں۔

آپ کی نشو ونما بغداد میں ہوئی، ظہیرالدین صاحب فتاوی ظہیریہ کے شاگرد تاج الدین علی سے علم کی تکمیل کی۔ یہ علم شریعت میں ایسا ملکہ اور کمال رکھتے تھے کہ علوم شرعیہ میں اپنے وقت کے امام کہلائے۔ آپ کی خوبیوں کو آپ کے اساتذۂ کرام نے بھی تسلیم کر کے مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔

اصطلاحاتِ فقہا کا بیان

متقدمین ومتأخرین اور مشائخ واصحاب میں فرق:۔ فقہ کے طالب کے لئے لازم ہے کہ فقہائے متقدمین اور متأخرین کا فرق یاد رکھے۔

متقدمین:۔ ان لوگوں کو کہتے ہیں کہ جنہوں نے امام اعظم اور صاحبین رضی اللہ تعالی عنہم کا دور پایا ہو اور ان سے فیض حاصل کیا ہو۔ لہذا جنہوں نے ائمۂ ثلثہ سے فیض نہیں پایا ان کو متأخرین کہتے ہیں۔ اکثر و بیشتر فقہائے کرام کے جا بجا استعمال سے یہی معنی سمجھے جاتے ہیں اور یہی ظاہر ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ سے امام ربانی شیبانی تک متقدمین ہیں اور شمس الائمہ حلوائی سے حافظ الدین بخاری تک متأخرین ہیں۔

امام ذہبی کی میزان میں یوں ہے کہ متقدمین اور متأخرین کی حد فاصل تیسری صدی ہجری کا شروع ہے۔یعنی تیسری صدی سے پہلے کے لوگ متقدمین ہیں،اور دوسری صدی کے بعد والے علماء متأخرین کہلاتے ہیں۔اس طرح اصطلاح فقہاء میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ سے حضرت امام محمد رضی اللہ تعالی عنہ تک سلف ہیں۔ اورحضرت امام محمد رضی اللہ تعالی عنہ سے شمس الائمہ حلوانی رضی اللہ تعالی عنہ تک خلف ہیں۔

مشائخ واصحاب میں فرق:۔فقہائے کرام اکثر بوقت تصحیح فرماتے ہیں"هذا قول المشائخ" کبھی"وعليه المشائخ"اور کبھی"عند اصحابنا" کہتے ہیں۔لہذا اس مقام پر اصطلاحات فقہا مختلف ہیں بعض کے نزدیک مشائخ سے وہ فقہا مراد ہوتے ہیں کہ جن فقہائے کرام نے امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کو نہیں پایا۔اسی کو"نهر فائق"میں عمر بن نجیم مصری رضی اللہ تعالی عنہ نے اختیار کیا ہے۔اور یہی قاسم بن قطلو بغا فرماتے ہیں کہ یہی اصطلاح ہے کہ جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ سے فیض یاب نہ ہوئے ہوں اور آپ کی صحبت کو نہ پایا ہو وہی مشائخ ہیں۔اور علامہ شامی رضی اللہ تعالی عنہ کا مذہب یہ ہیکہ مشائخ سے مراد امام اعظم اور صاحبین رضی اللہ تعالی عنہم ہیں۔اور اصحاب سے صاحبین مراد ہیں۔لیکن مشہور یہ ہے کہ اصحاب کا اطلاق ائمۂ ثلٰثہ امام اعظم اور صاحبین رضی اللہ تعالی عنہم پر ہوا کرتا ہے۔اور"عامة المشائخ" سے اکثر مشائخ کرام ہوتے ہیں۔

شیخین،صاحبین،طرفین وغیرہ کا استعمال:۔لفظ شیخین،صاحبین

اورطرفین وغیرہ اگرفقہائے کرام استعمال کرتے ہیں تو شیخین سے مراد حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اورابو یوسف رضی اللہ تعالی عنہما ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں امام محمد کے شیخ اور استاذ ہیں اور صاحبین حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ تعالی عنہما کو کہتے ہیں۔اسی طرح امام اعظم ''حضرت ابوحنیفہ'' کوامام ثانی ''ابو یوسف'' اورامام ربانی ''امام محمد'' رضی اللہ تعالی عنہم کو کہتے ہیں نیز ائمہ اربعہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہم کو کہتے ہیں۔

عندہٗ،عنہ،ھذا عند نا اور عند الأئمۃ الثلثۃ وغیرہ میں فرق:

عندہ اورعنہ کا فرق یہ ہے کہ عندہٗ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ قول امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کا مذہب ہے۔اور دوسرا یعنی عنہ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کا مذہب نہیں ہے۔ بلکہ ان سے یہ روایت ہے۔

جب کوئی حنفی کسی مسئلہ میں ھٰذا ''عندنا '' کہتا ہے تو اس کی مراد یہی ہوتی ہے کہ یہ قول امام اعظم اور صاحبین رضی اللہ تعالی عنہم کا ہے۔اور جب کسی مسئلہ میں ''عند الائمۃ الثلثۃ'' کہیں تو اس سے مراد حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہم ہوں گے جیسا کہ مدت حمل کے مسئلہ میں کہا ہے''اکثر عدۃ الحمل عندنا سنتان وعند الائمۃ الثلثۃ اربع وسنین '' یہاں ائمہ ثلاثہ سے مراد حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہم ہیں۔

جب بلا ذکر مرجع فقہاء لفظ ''عندہ'' کسی حکم کے بعد بولیں یا ''ھذا مذھبہ'' بلا ذکر مرجع بولیں تو اس مرجع سے مراد امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ ہوں گے۔اسی

طرح لفظ ’’عندھما‘‘ کی ضمیر کا مرجع صاحبین کو قرار دیں گے۔اور کبھی لفظ ’’عندھما‘‘ سے امام ابو یوسف اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور کبھی امام محمد اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما مراد ہوں گے۔ جب تیسرے کا ذکر اس حکم کے خلاف صریح ہو جیسے کہیں ’’عند محمد کذا و عندھما کذا‘‘ تو یہاں عندھما کذا سے شیخین مراد ہوں گے۔اور اگر ’’عند ابی یوسف کذا وعندھما کذا‘‘ بولیں تو اس وقت عندھما سے طرفین مراد ہوں گے۔

الأصول الكلية_والقواعدالفقهية

۱. لا ثواب الا بالنّية(الأشباه والنظائر ص:۶۳)

''ثواب کامدار نیت پر ہے''۔ یہ قاعدہ ''انما الأعمال بالنیات'' (صحیح بخاری جلداول کتاب بدء الوحی باب کیف بدأالوحی الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم، ص:۶، سنن نسائی جلد دوم ص:۱۰۱) اعمال کا دارومدار اخلاص نیت پر ہے۔اس حدیث سے ماخوذ ہے۔عبادت خواہ مقصودہ ہو یا غیر مقصودہ اگر فاعل اخلاص نیت نہیں رکھتا تو وہ ماجورومثاب نہیں ہوسکتا۔اور جو عبادات مقصودہ ہیں ان کی صحت نیت پر موقوف ہے۔ جیسے نماز،روزہ،حج اورزکوۃ کہ یہ اپنے تمام اقسام کے ساتھ عبادت مقصودہ ہیں۔اگر ان میں نیت نہیں کرے گا تو ان میں سے کوئی بھی عبادت درست نہیں ہوگی۔اور ثواب اخروی سے بھی محروم رہے گا۔ہاں وضو چونکہ یہ عبادت غیر مقصودہ ہے۔ اس لئے یہ بغیر نیت بھی صحیح ہوجائے گا۔لیکن اگر کوئی شخص بلا نیت وضو کرے گا مستحق ثواب نہیں ہوگا۔

۲.الأموربمقاصدها(الأشباه والنظائر ص:۱۰۲)

''اعمال کا مدار مقاصد پر ہے''اس قاعدہ کی اصل یہ حدیث مبارکہ ہے کہ جس کو

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے **"انما الأعمال بالنیات"** (صحیح بخاری جلد اول کتاب بدء الوحی باب کیف بدأ الوحی الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم، ص: ٦، سنن نسائی جلد دوم ص: ١٠١) کسی عمل پر اجر یا سزا ملنے کا دارومدار اس کے مقصد پر ہے۔ مثلاً دو لوگوں نے نماز ادا کی ایک کا مقصد محض اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا جوئی حاصل کرنا ہے۔ تو یہ شخص نماز پڑھنے کی وجہ سے مثاب ہوگا۔ اور دوسرے شخص کا مقصد نماز سے ریاکاری اور دکھاوا ہے۔ تو اس کو نماز پر ثواب ملے بہت دور کی بات بلکہ اس کے مقصد شر کی وجہ سے عذاب متعین۔ دونوں کا فعل ایک ہی ہے لیکن مقاصد کے مختلف ہونے کی وجہ سے ایک ثواب کا حقدار ہو رہا ہے اور دوسرا مستحق عذاب۔

۳. الخطأ فیما لا یشترط التعیین لا یضر (الأشباہ والنظائر ص: ١٢٦)

"اس چیز میں خطاء کرنا مضر نہیں کہ جس میں تعیین کی شرط نہیں" مثلاً نماز میں یہ شرط نہیں ہے کہ نمازی یہ بھی نیت کرے کہ کس جگہ نماز پڑھ رہا ہے۔ لہذا اگر کسی سے جگہ کی تعیین میں غلطی ہوگئی تو بھی نماز ہو جائے گی۔ اسی طرح نماز میں نیت تعیین عدد رکعات بھی ضروری نہیں لہذا اگر کسی شخص نے غلطی سے ظہر میں چار کے بجائے تین کی نیت کی تو اس میں بھی خطا سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

۴. الیقین لا یزول بالشک (الأشباہ والنظائر ص: ١٨٣)

"یقین شک سے زائل نہیں ہوتا"۔ یہ قاعدہ اس حدیث سے ماخوذ ہے جس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے "اذا وُجِدَ فی بطنہ شیٌٔ

فأشكل عليه أخرج شئ أم لا فلا يخرجن من المسجد حتىٰ يسمع صوتا أو ريحا" (صحيح مسلم جلداول كتاب الحيض باب الدليل على تيقن الطهارة ثم شكّ فى الحدث ص: ٢٨٦) یعنی جب کوئی شخص اپنے پیٹ میں کچھ محسوس کرے اور یہ یقین مشکل ہو کہ اس میں سے کچھ نکلا یا نہیں یعنی ریح وغیرہ خارج ہوئی یا نہیں تو وہ مسجد سے نہ نکلے جب تک کہ ریح کے خارج ہونے کو محسوس نہ کر لے یا اس کی آواز نہ سن لے۔ مثلا کوئی انسان ایسا ہے کہ جس کو اس کا یقین ہے کہ وہ باوضو تھا لیکن اب اس کو شک لاحق ہوا کہ اس کا وضو ٹوٹا یا نہیں تو یہ شک وضو کے حق میں مضر نہیں ہوگا نہ ہی یقین کو زائل کرے گا بلکہ وہ باوضو مانا جائے گا۔

٥. من شک هل فعل شيئاً أم لا؟ فالأصل أنه لم يفعل

(الأشباه والنظائر ص: ١٩٢)

"کسی کو یہ شک ہوا کہ اس نے یہ کام کیا یا نہیں تو اصل یہ ہے کہ اس نے وہ کام نہیں کیا"۔ مثلا کوئی انسان باوضو تھا اب اس کو یہ یقین ہے کہ وہ باوضو تھا لیکن اسے اس بات میں شک ہوا کہ اس نے پیشاب کیا یا نہیں تو اب وہ باوضو ہی شمار کیا جائے گا اور اس شک کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

٦. الأصل العدم (الأشباه والنظائر ص: ١٩٩)

"نہ ہونا یہی اصل ہے" اس ضابطہ کا تعلق ان اوصاف سے ہے جو کسی چیز کو عارض ہوتے ہیں۔ جیسے ایک شخص پر دوسرے کا قرض تھا اس کو اس کا اقرار بھی ہے لیکن مقروض دعویٰ کر رہا ہے کہ جو قرض تھا وہ میں نے ادا کر دیا ہے تو جب تک مقروض ادئیگی پر شہادت

قائم نہ کردے دائن کا قول معتبر ہوگا۔ہاں اگر یہ سرے سے قرض کا ہی انکار کرے تو اب دائن سے ثبوت قرض پر شہادت طلب کی جائے گی کیونکہ اصل نہ ہونا ہی ہے۔

۷.الأصل براء ۃالذمۃ (الأشباہ والنظائر ص: ۱۹۲)

''اصل ہر شخص کا ذمہ سے بری ہونا ہے۔''یعنی جب تک اس پر کوئی حق یا دعوی ثابت نہ ہو،مثلاً زید نے دعوی کیا کہ بکر پر میرے دس ہزار روپے ہیں، بکر انکار کرتا ہے، اور زید کے پاس کوئی دلیل اور شہادت بھی اس بات کے ثبوت میں نہیں تو اس صورت میں مدعی علیہ (زید) کو بری الذمہ مانا جائے گا۔کیونکہ زید کا بکر پر کچھ نہ ہونا ہی اصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ثبوت کے لئے دلیل ہمیشہ مدعی پر لازم ہوتی ہے۔کیونکہ مدعی کا قول ودعوی اصل کے خلاف ہے۔

۸.الأصل اضافۃ الحادث ألیٰ اقرب أوقاتہ (الأشباہ والنظائر ص:۲۰۳)

''اصل یہ ہے کہ ہر واقعہ کو اس کے قریب تر وقت کی جانب منسوب کیا جائے''۔ مثلاً کوئی عورت یہ دعویٰ کرے کہ اس کے شوہر نے اسے اپنے مرض الموت میں طلاق دی تھی ،اور دیگر ورثہ کہیں کہ نہیں بلکہ حالت صحت میں طلاق دی تھی ،تو اس صورت میں اس عورت کا قول مانا جائے گا کیونکہ اس کا قول اقرب کی جانب منسوب ہے۔لہذا اس کو متوفی شوہر کی میراث کا وارث قرار دیا جائے گا۔

۹.الأصل فی الأشیاء الاباحۃ (الأشباہ والنظائر ص: ۲۰۹)

”اشیاء میں اصل مباح ہونا ہے“ یہ ضابطہ اس آیت مبارکہ سے ماخوذ ہے ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّافِی الْأَرْضِ جَمِیْعاً﴾ (پ: ۱، س: ۲، ع۳، آیت: ۲۹) وہی ہے جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔ (کنزالایمان) اور حدیث شریف میں ہے ”الحلال ما احلّ الله فی کتابه والحرام ما حرم الله فی کتابه وما سکت عنه فهو معفوٌ“ (جامع الاصول جلد اول ۵۶۸) حلال وہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا، اور جسے حرام کیا وہ حرام ہے، اور جن کے متعلق کوئی حکم نہیں بیان کیا وہ معاف۔ لہٰذا اگر کوئی شخص مسکوت عنہ کو نا جائز و مباح کہے تو اس پر لازم ہے کہ دلیل شرعی لائے اور اس کو جائز و مباح کہنے کے لئے مذکورہ آیت و حدیث ہی کافی ہے۔

۱۰. اذا اجتمع دلیلان أحد هما یقتضی التحریم والأخر الاباحة قد م التحریم

(الأشباه والنظائر ص: ۳۰۲)

”جب دو دلیلیں جمع ہو جائیں ان میں سے ایک حرمت دوسری اباحت کی مقتضی ہو تو دلیل حرمت کو مقدم کیا جائے گا“۔ یہ قاعدہ اس اثر سے ماخوذ ہے کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملک یمین کے ذریعہ جمع بین الاختین کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کو ایک آیت نے حلال کیا ہے اور ایک آیت نے حرام کیا ہے تو اس میں حرمت ہم کو زیادہ پسند ہے۔ جیسا کہ سکھائے ہوئے کتے کے ساتھ دوسرا شریک ہو جائے جو سکھایا ہوا نہ ہو یا بغیر بسم اللہ پڑھے چھوڑا گیا ہو تو وہ شکار کھانا حرام ہے جبکہ ذبح سے قبل مر جائے۔

۱۱. ألاصل فی الکلام الحقیقة (الأشباه والنظائر ص: ۲۱۴)

"کلام میں اصل حقیقت ہے یعنی اس کے اصلی معنی پر محمول کرنا یہ اصل ہے"۔
جیسے نکاح کا معنئ حقیقی وطی ہے اور معنئ مجازی تزویج ہے۔ تو اصل یہ ہے کہ نکاح کو وطی پر محمول کیا جائے اسی وجہ سے اس آیت مبارکہ ﴿وَلاَ تَنْکِحُوْا مَا نَکَحَ آبَاءُ کُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ (پ: ۴، س: ۴، ع: ۱۴، آیت: ۲۲) اور باپ دادا کی منکوحہ سے نکاح نہ کرو۔ (کنزالایمان) اس آیت سے باپ دادا کی موطوءہ مطلقاً بیٹے پر حرام ہوگی اور اس کو معنی مجازی پر محمول کر کے ازدواج کی قید سے مقید نہیں کیا جائے گا۔

۱۲. المشقة تجلب التيسير (الأشباه والنظائر ص: ۲۲۶)

"مشقت آسانی لاتی ہے" اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿یُرِیْدُاللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَایُرِیْدُبِکُمُ الْعُسْرَ﴾ (پ: ۲، س: ۲، ع: ۷، آیت: ۱۸۵) اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔ (کنزالایمان) یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے مسلمانوں کو مسائل کثیرہ میں آسانیاں فراہم کی ہیں۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا. "لولاأن أشقّ علیٰ امتی لامرتھم بالمسواک عند کلّ صلوۃ" (مشکوۃ المصابیح کتاب الطھارۃباب السواک ص: ۴۵) اگر میری امت کے لئے مسواک کی پابندی باعث مشقت نہ ہوتی تو میں مسواک کرنے کو ہر نماز کے وقت واجب کر دیتا۔ مذکورہ آیت مبارکہ اور حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ رب تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم امت کو آسانیاں عنایت فرماتے ہیں۔ اسی کی روشنی میں فقہ کا یہ قاعدہ ہے کہ "مشقت آسانیاں لاتی ہے"۔

۱۳. المشقة والحرج انمايعتبر فی موضع لانصَّ فيه

(الأشباه والنظائر ص:۲۴۸)

"مشقت اور حرج کا اعتبار ایسے مقام پر کیا جاتا ہے کہ جہاں نص شرعی نہ ہو" یعنی جس مسئلہ میں نص موجود ہے وہاں مشقت وحرج کا کوئی اعتبار نہیں۔ مثلاً حرم مکہ کی گھاس کے سبب اگر وہاں کے باشندے یا حجاج حرج ومشقت میں مبتلا ہوجائیں تو اس حرج اور مشقت کی وجہ سے وہاں کی گھاس کا کاٹنا مباح نہیں ہوسکتا کیونکہ وہاں گھاس کی حرمتِ قطع پر نص موجود ہے۔

۱۴. الضرريزال (الأشباه والنظائر ص:۲۵۰)

"نقصان وضرر کو زائل کیا جائے گا"۔ یہ ماخوذ ہے اس حدیث سے "لاضــرر ولا ضرار فی الاسلام" مطلب یہ ہے کہ کوئی مسلمان نہ ابتداءً ضرر پہونچائے اور نہ کسی ضرر کے بدلہ کی صورت میں انتقاماً بعد میں نقصان پہنچائے۔ اس قاعدۂ فقہیہ پر بہت سے مسائل شرعیہ کی بنیاد ہے۔ اسی قاعدہ کے پیش نظر مشتری کو خیارِ عیب اور پڑوسی کو حق شفعہ وغیرہ حاصل ہیں۔

۱۵. الضرورات تبيح المحذورات (الأشباه والنظائر ص:۲۵۱)

"ضرورتیں ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں" یہ مشہور ومعروف قاعدہ ہے اور اس آیت سے ماخوذ ہے ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحمَ الْخِنزِيرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ (پ:۲، س:۲، ع:۵، آیت:۱۷۳)

اس نے یہی تم پر حرام کئے ہیں مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لیکر ذبح کیا گیا تو جو ناچار ہو نہ یوں کہ خواہش سے کھائے اور نہ یوں کہ ضرورت سے آگے بڑھے تو اس پر گناہ نہیں۔ (کنزالایمان) اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالی نے حالت اضطرار میں ممنوع و محظور اشیا سے اتنا کھا اور پی لینے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے کہ جتنے سے جان بچائی جا سکے۔ لہذا معلوم ہوا کہ ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں۔

۱۶. ما أبيح بالضرورة يتقدر بقدرها (الأشباه والنظائر ص: ۲۵۲)

''جو چیز کسی ضرورت کی وجہ سے جائز ہوتی ہے تو وہ بقدر ضرورت ہی جائز رہتی ہے'' یہ قاعدہ گزرے ہوئے قاعدہ کی وضاحت ہے مثلا بوقت ضرورت جان بچانے کے لئے مردار کھانا یا شراب پینا جائز ہے۔ لیکن یہ اسی مقدار میں جائز ہے کہ جس سے جان بچ سکے اس پر زیادتی ناجائز و حرام ہے۔

۱۷. ماجاز لِعذر بطل بزواله (الأشباه والنظائر ص: ۲۵۳)

''جو چیز کسی عذر کے سبب جائز ہوتی ہے تو بعد زوال عذر اس کا جواز بھی باطل ہو جاتا ہے''۔ مثلا کوئی شخص پانی کے استعمال پر قادر نہ تھا یا تو اس وجہ سے کہ پانی کم تھا یا اس وجہ سے کہ وہ بیمار تھا اور بیماری اس حد کو پہونچی ہوئی تھی کہ پانی کے استعمال سے جان جانے یا عضو کے تلف ہونے کا خوف تھا۔ تو اس کو تیمّم کرنا جائز تھا لیکن اگر وہ پانی پر قادر ہو گیا کہ اس کو بقدر وضو اور پانی مل گیا یا مرض جاتا رہا تو اب تیمّم کرنا جائز نہیں۔

۱۸. الضرر لايزال بالضرر (الأشباه والنظائر ص: ۲۵۴)

"نقصان کونقصان سے زائل نہیں کیا جائے گا"۔ جیسے کوئی شخص حالت اضطرار میں ہے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی ایسے شخص کا کھانا چھین کر کھالے کہ جو خود مضطر ہو۔ کیونکہ یہ ضرر کو ضرر سے زائل کرنا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

١٩. يتحمل الضرر الخاص لأَجل دفع الضرر العام لو كان أحدهما أعظم ضرراً من الآخر فانّ الأشدّ يزال بالأخف

(الأشباه والنظائر ص: ٢٥٦، ٢٥٨)

"عام ضرر سے بچنے کے لئے ضرر خاص کو برداشت کرلیا جائے گا۔ اگر ان دونوں میں سے ایک ضرر کے اعتبار سے بڑا ہو تو اس کو زائل کیا جائے گا کیونکہ بڑے ضرر کو چھوٹے سے زائل کیا جاتا ہے"۔ مثلاً کوئی دیوار ایسی ہے جو کہ راستہ کی جانب جھکی ہوئی ہے جس سے خوف ہے کہ کہیں کسی راستہ میں چلنے والے کے اوپر نہ گر جائے۔ اور دیوار گرانے سے صاحب دیوار کو ضرر ہو رہا ہے۔ تو ضرر خاص یعنی دیوار کا گرانا برداشت کیا جائے گا اس سے بڑے ضرر کو دفع کرنے کے لئے کیونکہ اشد کو اخف کے ذریعہ زائل کیا جاتا ہے۔

٢٠. اذاتعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضرراً بارتكاب أخفهما

(الأشباه والنظائر ص: ٢٦١)

"جب دو مفسد چیزیں جمع ہو جائیں تو چھوٹی کے ارتکاب سے بڑی کو چھوڑا

جائے گا'' یہ قاعدہ بھی مذکورہ بالا قاعدہ کی فرع ہے اور یہ حدیث اعرابی سے ماخوذ ہے جو کہ مسجد میں پیشاب کرنے لگا تو حضور نے منع فرمادیا کہ اس سے کچھ کہا جائے اور بعد میں خود سمجھا دیا کہ یہ مساجد اس لئے نہیں ہیں۔ حرام فعل کی اجازت محض ضرورت کی وجہ سے ہے۔ اور زیادت ضرورت کے منافی ہے۔ مثلاً کوئی بوڑھا ہے اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو قرأت نہیں کرسکتا اور اگر بیٹھ کر پڑھے تو کرسکتا ہے تو بیٹھ کر نماز ادا کرے گا کیونکہ بغیر قرأت کے نماز پڑھنے میں بیٹھ کر نماز پڑھنے سے زیادہ نقصان ہے۔

۲۱. درء المفاسد أولیٰ من جلب المصالح (الأشباہ والنظائر ص: ۲۶۴)

''مفاسد کو دور کرنا منافع کے حصول سے بہتر ہے'' یعنی جب مصلحت اور مفاسد میں تضاد واقع ہو۔ تو مفاسد کو دور کیا جائے گا اگرچہ مصلحت کو ترک کرنا پڑے۔ چونکہ مامورات ومصالح کی بنسبت شریعت مطہرہ کا حکم محرمات، مفاسد اور ممنوعات کو دور کرنے میں زیادہ سخت اور مؤکد ہے۔ حدیث شریف میں ہے ''اذا أمرتکم بشیءٍ فأتو منه ما استطعتم واذا نهیتکم عن شیءٍ فاجتنبوه'' (السنن الکبری للبیهقی المجلد الرابع ص: ۴۲۶) یعنی جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو حتی المقدور اسے بجالاؤ اور جب کسی چیز سے منع کروں تو اس سے مکمل طور پر بچو۔

۲۲. الحاجة تنزل منزلة الضرورة (الأشباہ والنظائر ص: ۲۶۷)

''حاجت ضرورت کا مقام حاصل کرلیتی ہے'' اسی قاعدہ کے تحت اجارہ کا جواز ہے کیونکہ اجارہ داری خلاف قیاس ہے ہدایہ میں ہے: الاجارة عقد یرد علی المنافع بعوض لأن الاجارة فی اللغة بیع المنافع والقیاس یأبیٰ جوازهٗ لأنّ

المعقود عليه المنفعة وهی معدومة واضافة التمليک الٰی ماسیوجد لایصح الا أنّ جوّزناه لحاجة الناس الیه۔ اجارہ ایسا عقد ہے جو کہ عوض کے ساتھ منافع پر وارد ہوتا ہے کیونکہ لغت میں اجارہ منافع کی بیع کو کہتے ہیں اور قیاس اس کے جواز سے مانع ہے اس لئے کہ معقود علیہ منفعت ہے جو کہ معدوم ہے اور جو عنقریب پائی جائے گی اس کی جانب نسبت تملیک درست نہیں مگر ہم نے اس کو لوگوں کی حاجت کے سبب جائز قرار دے دیا۔ ایسے ہی بیع سلم کا جواز خلاف قیاس ہے کیونکہ یہ معدوم کی بیع ہے مگر غربا کی ضرورت پوری کرنے کے لئے اس کا جواز ہے۔ قاعدۂ مذکورہ کے تحت جب حاجت شدید داعی ہوئی تو بیع وفا کے جواز کا فتویٰ دیا گیا تھا۔

۲۳۔ العادة محكم (الأشباہ والنظائر ص:۲۶۸)

”عادت حکم شرعی کی بنیاد ہے“۔ یعنی جو چیز عرف وعادت کے لحاظ سے درست ہو شریعت مطہرہ اس کو جائز قرار دیتی ہے۔ یہ قاعدہ اس حدیث سے ماخوذ ہے ”ما راٰہ المسلمونَ حسناً فهو عندالله حسنٌ ومار آهُ المسلمون قبیحاً فهو عندالله قبیحٌ“ (مسند احمد بن حنبل جلد اول ص:۳۷۹) وہ چیز کہ جس کو مسلمان اور اہل علم وتقویٰ اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جس کو مسلمان برا جانیں وہ چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی بری ہے۔ عرف اور عادت کو فقہائے اسلام نے بڑی اہمیت دی ہے کہ فقہ کے بہت سے مسائل کا حکم عرف وعادت پر مبنی ہے۔

۲۴۔ المعروف كالمشروط (الأشباہ والنظائر ص:۲۷۹، شرح عقود رسم المفتی ۱۷۳)

”معروف مشروط کے درجہ میں ہے“ لہٰذا اگر کسی انسان نے اپنے جانور کو بیچا

اور وہاں کا عرف یہ ہے کہ جانور کے ساتھ اس کی رسی بھی دی جاتی ہے تو جانور کی رسی بھی بیع میں داخل مانی جائے گی۔

۲۵. الاجتہاد لاینقض بالاجتہاد (الأشباہ والنظائر ص: ۲۹۳)

''اجتہاد اجتہاد کے ذریعہ ساقط نہیں ہوتا'' یہ قاعدہ صحابۂ کرام کے عمل سے ماخوذ ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند مسائل کے متعلق حکم صادر فرمایا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے اس کے خلاف رہی مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم اس سے ساقط نہ ہوا۔ ایسے ہی فدک کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم حضرت عباس، حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجتہاد سے نہ ٹوٹا اور نہ ساقط ہوا۔ اسی سے متفرع ہے کہ اگر کسی انسان نے سمتِ قبلہ کے متعلق تحری کر کے نماز پڑھنا شروع کی درمیان میں اس کی رائے اور اجتہاد میں تبدیلی آگئی اس نے دوسری جانب رخ کرلیا چار رکعتیں بر بنائے تحری چاروں سمت منہ کر کے نماز ادا کی نماز درست ہے۔

۲۶. اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام (الأشباہ والنظائر ص: ۳۰۱)

''جب حلال وحرام جمع ہوں تو غلبہ حرام کو ہوگا'' یہ قاعدہ اس حدیث ''دع مایریبک الی مالایریبک'' (سنن دارمی جلد دوم ص: ۲۴۵، ۲۴۶) جس میں تم کو شک ہو اس کو چھوڑ دو جس میں شک نہ ہو اسے کرو۔ یعنی جب کسی معاملہ میں حرمت وحلت دونوں قسم کی دلیلیں ہوں اور کوئی مرجح نہ ہو تو ایسی صورت میں حرمت کو غلبہ ہوگا۔ جیسے سکھایا ہوا کتا جب بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑا گیا پھر اس کے ساتھ کلب غیر

معلم یعنی غیر تربیت یافتہ کتا بھی شریک ہو گیا یا وہ کہ جس کو بسم اللہ پڑھ کر نہیں چھوڑا گیا تھا۔تو اگر وہ شکار ذبح سے قبل مر گیا تو وہ شکار حرام ہے۔اسی طرح اگر کسی نے شکار پر تیر چلایا اور وہ پانی میں مرا ہوا پایا تو وہ مردار کے حکم میں ہے یا وہ چھت پر گرا پھر نیچے آکر گرا تو اس صورت میں بھی اس کا کھانا جائز نہیں کیونکہ یہاں احتمال پیدا ہو گیا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ جانور ڈوب کر مرا ہو یا چھت سے گرنے کی وجہ سے مرا ہو لہذا اس میں جانب حرمت کو غلبہ دیا جائے گا اور جانور حرام ہوگا۔

۲۷. التابع تابع (الأشباہ والنظائر ص: ۳۲۲)

''تابع متبوع کے تابع ہے یعنی تابع متبوع کے حکم میں ہے''۔جیسے حاملہ جانور جب فروخت کیا جائے تو وہ اپنی ماں کے حکم میں ہوگا اس کی الگ سے بیع نہ ہوگی۔ ایسے ہی راستے اور پانی وغیرہ زمین کے تابع ہوں گے ان کی بیع الگ سے نہ ہوگی۔

۲۸. الأصل بقاء ما کان علی ما کان (الأشباہ والنظائر ص: ۳۲۲)

''اصل اس حالت کا باقی رہنا ہے کہ جس حالت پر شئ تھی''لہذا اگر کوئی محدث تھا اور بعد میں اس کو شک لاحق ہوا کہ اس نے وضو کیا یا نہیں تو وہ محدث ہی مانا جائے گا کیونکہ وہ محدث تھا۔

۲۹. التابع یسقط بسقوط المتبوع (الأشباہ والنظائر ص: ۳۲۴)

''متبوع کا حکم ساقط ہونے سے تابع کا بھی حکم ساقط ہو جاتا ہے''۔مثلا جس کا حج فوت ہو گیا اور اس نے عمرہ ادا کر کے احرام کھول دیا اس پر منی میں جمار اور شب گزارنا بھی نہیں رہا کیونکہ یہ دونوں چیزیں وقوف عرفہ کے تابع ہیں اور وہ ساقط ہو گیا۔

۳۰. یسقط الفرع اذاسقط الأصل (الأشباہ والنظائر ص: ۳۲۵)

''اصل کے ساقط ہونے سے فرع ساقط ہوجاتی ہے'' مثلا اخرس (گونگے) کے لئے ضروری ہے کہ نماز میں قرأت کی جگہ اپنی زبان کوحرکت دے لیکن جب امام کی اقتداء میں قرأت ساقط ہوگئی تو زبان کوحرکت دینا بھی ساقط ہوگیا۔

۳۱. اذابرأالأصل برأالکفیل (الأشباہ والنظائر ص: ۳۲۵)

''جب اصل بری ہوجائے تو کفیل بھی بری ہوجائے گا'' اس کے برخلاف نہیں ہوسکتا جیسے کسی نے اصیل سے قرض معاف کردیا تو ضامن بھی ذمہ سے بری ہوجائے گا کیونکہ کفیل اصل کے تابع ہے پیچھے گزرا کہ تابع تابع ہوتا ہے۔اور کچھ صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔جیسے کسی نے کہا کہ زید کے عمرو پر ایک ہزار درہم ہیں اور میں اس کا ضامن ہوں اور زید انکار کرے اورثبوت نہ ہوتو اس صورت میں عمرو جو کہ اصل ہے وہ بری ہوجائے گا اوراس کفیل وضامن پر ایک ہزار درہم لازم ہوں گے۔

۳۲. التـابع لایتقد م علی المتبو ع (الأشبـاہ والنظائر ص: ۳۲۶)

''یعنی تابع اپنے متبوع پر مقدم نہیں ہوتا'' لہذاامام کی متابعت میں نماز پڑھنے والا مقتدی نماز کی تکبیر افتتاح میں امام سے پہلے تکبیر تحریمہ نہیں کہہ سکتا اسی طرح ارکان نماز کی ادائیگی میں امام پر تقدم نہیں کرسکتا لہذا مقتدی کو چاہیئے کہ وہ امام کے ساتھ نماز ادا کرنے میں امام سے پہلے رکوع وسجود میں نہ جائے اورنہ ہی امام سے قبل سجدہ سے سر

اٹھائے۔

۳۳.مایثبت ضمناو حکماًلایَثبتُ قصدًا (الأشباه و النظائر ص:۳۲۶)

''جو چیز ضمنا اور حکما ثابت ہوجاتی ہے وہ قصدا ثابت نہیں ہوتی'' جیسے قاضی نے کسی کو اپنا نائب بنادیا حالانکہ خلیفہ نے اس کو نائب بنانے کی اجازت نہیں دی تو اس کا نائب بنانا جائز نہیں اس کے باوجود اگر قاضی کے خلیفہ نے فیصلہ کیا اور وہ قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے تو قاضی کے نافذ کرنے سے اس کا فیصلہ نافذ ہوجائے گا۔

۳۴.الحدو دتدرأ بالشبهات (الأشباه و النظائر ص:۳۳۶)

''شبہات سے حدود ساقط ہوجاتی ہیں'' یہ قاعدہ اس حدیث سے ماخوذ ہے کہ جس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے''ادرؤ الحدود عن المسلمين ما استطعتم'' (ترمذی جلد۴ ص:۲۵ مطبوعه بیروت) جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو دور کرو۔ کیونکہ امام اگر معاف کردینے میں خطا کردے یہ اس سے بہتر ہے کہ سزا دینے میں غلطی کرجائے۔

۳۵.الثابت بالعرف كالثابت بالنص (شرح عقود رسم المفتی ۱۷۶)

''عرف کے ذریعہ جو چیز ثابت ہو اس کا نفاذ بالکل ایسے ہی ہوگا جیسے کہ وہ نص سے ثابت ہو'' بہت سے احکام ایسے ہیں کہ عرف اور عادت کی وجہ سے ان میں تخفیف کی گئی ہے۔ مثلاً تعلیم قرآن پر اجرت لینا اس کے جواز پر متأخرین نے فتویٰ دیا ہے۔

۳۶.القصاص كالحدود فى الدفع بالشبهة (الأشباه والنظائر ص: ۳۴۱)

''شبہ سے زائل ہونے میں قصاص حدود کی طرح ہے'' جیسے کسی شخص نے کسی کو اس حال میں دھاردار آلہ سے قتل کیا کہ وہ سورہا تھا، وہ کہتا ہے کہ میں نے اس کو جب قتل کیا وہ مردہ تھا۔تو اب اس پر قصاص نہیں ہوگا بلکہ دیت واجب ہوگی۔اس قاعدہ سے کچھ مسائل مستثنیٰ بھی کیئے گئے ہیں۔

۳۷.اذاتعارضت مفسدةو مصلحة قدم دفع المفسدة

(الأشباه والنظائر ص: ۲۶۴)

''جب مفسد اور مصلحت مین تعارض ہو تو فساد کو زائل کیا جائے گا'' کیونکہ منہیات سے زیادہ سختی اور تاکید کے ساتھ روکا گیا ہے ماموارت کی جانب نسبت کرتے ہوئے۔

۳۸.التعزيريثبت مع شبهة (الأشباه والنظائر ص: ۳۴۳)

''تعزیر شبہ کے ساتھ ثابت ہو جاتی ہے'' یہ بھی کہا گیا ہے کہ تعزیر ہر اس چیز سے ثابت ہو جاتی ہے کہ جس سے مال ثابت ہو جاتا ہے۔اس کے ساتھ سزا کا بھی فیصلہ کیا جائے گا۔اور کفارات بھی ثابت ہو جائیں گے۔

۳۹.الأصل العدم فى الصفات العارضة (فتح القدير)

''صفت اگر عارضی ہو تو اس کی اصل عدم (نہ ہونا) ہے''۔جیسے کسی آدمی نے ایک بیچنے والے سے اس شرط پر غلام خریدا کہ وہ صباغ ہے لیکن بعد میں مشتری نے کہا کہ

یہ صباغ نہیں ہے اور بائع کہتا ہے کہ صباغ ہے تو اس صورت میں مشتری کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ صفت عارضی کی نفی کر رہا ہے۔ اور اس میں عدم اصل ہے۔

۴۰۔ من استعجل الشی قبل أوانه عوقب بحرمانه

(الأشباه والنظائر ص: ۳۹۳)

''جو شخص کسی شی کو وقت سے پہلے حاصل کرنے میں جلدی کرے تو سزاء وہ اس شئ سے محروم کر دیا جاتا ہے'' مثلاً کوئی وارث اپنے مورث کو اس لالچ میں قتل کر دے کہ وہ جلدی وارث ہو جائے اور حصۂ وراثت اس کو مل جائے تو قاتل وارث، مقتول مورث کی وراثت سے محروم ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شوہر اپنے مرض الموت میں اپنی بیوی کو بغیر اس کی طلب اور رضا مندی کے تین طلاقیں دے دے تا کہ وہ وراثت سے محروم ہو جائے تو وہ عورت اس کی وراثت سے محروم نہیں ہوگی۔ بلکہ شوہر اپنا مقصد حاصل کرنے میں محروم رہے گا۔

۴۱۔ الحر لایدخل تحت الید (الأشباه والنظائر ص: ۳۴۴)

''یعنی آزاد مرد و عورت پر کوئی قبضہ نہیں ہو سکتا'' اگر آزاد مرد یا عورت کو کوئی شخص غصب کر لے گیا اور پھر وہ اس کے قبضہ میں ہی اچانک قدرتی موت مر گیا تو غاصب اس کی جان کا ضمان دینے کو ذمہ دار نہ ہوگا۔ برخلاف اس کے کہ اگر وہ ان کو غصب کر کے ہلاکت کی جگہ لے گیا کہ جہاں خونخوار، درندے، زہریلے سانپ یا اور کوئی جان لینے والی چیزیں ہوں مثلاً وہاں بالعموم بجلیاں گرتی ہوں یا وہاں مہلک بیماریاں پھیلی ہوں اور مغصوب وہاں ہلاک ہو گئے تو اس صورت میں غاصب کے عاقلہ پر ان کی دیت واجب

ہو گی۔ اور یہ ضمان اتلاف جان کا ہوگا غصب کا نہیں۔

۴۲. اذااجتمع الأمران من جنس واحدولم یختلف مقصودهمادخل أحدهمافی الآخر (الأشباه والنظائر ص: ۳۴۶)

’’جب دو چیزیں ایک ہی جنس کی جمع ہو جائیں اور ان کا مقصود مختلف نہ ہو تو وہ ایک دوسرے میں داخل ہو جاتی ہیں‘‘۔ مثلاً حدث و جنابت جب ایک ہی شخص میں جمع ہوں یا جنابت اور حیض ایک ہی عورت میں جمع ہوں تو ان پر محض ایک ہی غسل فرض ہوگا۔ اور دونوں (حدث و جنابت، حیض و جنابت) کے لئے ایک ہی غسل کافی ہوگا۔ اسی طرح مسجد میں داخل ہونے والا شخص جب فرض یا سنت مسجد میں داخل ہونے کے بعد ادا کر لے تو یہی تحیۃ المسجد کے لئے بھی کافی ہے۔

۴۳. من تیقن الفعل وشکّ فی القلیل والکثیر حمل علی القلیل

(الأشباه والنظائر ص: ۲۴۹)

’’اگر کسی کو کرنے کا یقین ہو اور قلیل و کثیر میں شک ہو تو اس کو قلیل پر محمول کیا جائے گا‘‘۔ جیسے کسی انسان کو نماز کے درمیان تعداد رکعت میں شک واقع ہوا اگر پہلی مرتبہ ایسا معاملہ پیش آیا تو نماز از سر نو پڑھے۔ اور اگر بکثرت اس کے ساتھ ایسا ہوتا رہتا ہے تو تحری کرے ورنہ اقل رکعت قرار دے۔

۴۴. من ابتلی ببلیتین وهما متساویان یاخذ بایتهماشاء وان اختلفایختار أهونهما (الأشباه والنظائر ص: ۲۷۱)

”اگر کوئی شخص دو مصیبتوں میں گرفتار ہو جائے اور دونوں برابر ہوں تو جسے چاہے اختیار کرے اور اگر مختلف ہیں تو ان میں سے چھوٹی کو اختیار کرے“ مثلاً مضطر کے سامنے گوشت دو پلیٹوں میں رکھا ہوا ہے کہ جس کے متعلق اس کو اس کے علاوہ کوئی خبر نہیں کہ یہ گوشت مردار کا ہے اس کے لئے دونوں برابر ہیں کہ وہ کسی سے بھی جان بچانے کی مقدار کھالے۔ اسی طرح کوئی انسان ایسا ہے کہ وہ اگر سجدہ کرے تو اس کا زخم بہنے لگتا ہے اور زخم بہے گا تو ظاہر ہے کہ وضو بھی ٹوٹے گا اور جسم ناپاک ہوگا اور سجدہ نہ کرنے کی صورت میں صرف ترک سجدہ لازم آئے گا تو وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے گا اور رکوع و سجود اشارے سے کرے گا۔ سجدہ کا ترک اس سے کمتر اور آسان ہے کہ نماز کو حالت حدث اور نجس جسم کے ساتھ ادا کرے۔

۴۵. السوال معاد فی الجواب (الأشباہ والنظائر ص: ۳۸۰)

”جواب کے ضمن میں سوال کا اعادہ ہو جاتا ہے“ امام حافظ الدین کردری رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۲۷ھ) فتاوی بزازیہ میں مسائل وکالت کے آخر میں بیان فرماتے ہیں ”کسی نے کہا کہ زید کی بیوی مطلقہ ہے اگر وہ اس گھر میں داخل ہو تو اس پر بیت اللہ جانا ہے، زید نے یہ سن کر کہا ہاں تو زید ان دونوں باتوں کا حالف قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ جواب اس مضمون کے اعادہ کو متضمن ہے۔ جس کو سوال میں ذکر کیا گیا ہے“۔ ایسے ہی اگر بیوی نے اپنے شوہر سے کہا میں طلاق والی ہوں شوہر نے کہا ہاں تو اس کی بیوی مطلقہ ہو جائے گی۔

۴۶. لاینسب الی ساکت قول (الأشباہ والنظائر ص: ۳۸۲)

''ساکت کی جانب کوئی قول منسوب نہیں کیا جائے گا'' مثلا کوئی اجنبی کسی شخص کے سامنے اس کا سامان فروخت کررہا ہو اور وہ خاموش رہے اس کو منع نہ کرے تو وہ اس کے اس سکوت سے وکیل بالبیع نہیں بنے گا۔ ایسے ہی اگر کسی نے دیکھا کہ کوئی اس کا مال تلف کررہا ہے اور وہ خاموش رہا اس کو منع نہیں کیا تو اس کی یہ خاموشی مال تلف کرنے کی اجازت شمار نہیں کی جاسکتی۔ اسی طرح اگر عورت بغیر اجازت ولی غیر کفو میں نکاح کرلے اور ولی خاموش رہے تو ولی کا سکوت اس کی رضا تسلیم نہیں کیا جائے گا اگرچہ مدتِ مدید گزر جائے۔ الاشباہ والنظائر میں اس قاعدہ کے کچھ مستثنیات ذکر کیے گیے ہیں جو چاہے وہاں مطالعہ کرے۔

۴۷. ماحرم أخذه حرم اعطاء ہ (الأشباہ والنظائر ص: ۳۹۱)

''جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے'' مثلا سود اس کا لینا حرام ہے، اور دینا بھی حرام ہے۔ زنا کا ارتکاب حرام ہے ایسے ہی اس کی اجرت بھی حرام ہے۔ کاہن اور نجومی کا اجرت جس طرح لینا حرام ہے اسی طرح سے ان کو اس کی اجرت دینا بھی حرام ہے۔ رشوت لینا حرام ہے اسی طرح رشوت دینا بھی حرام ہے حدیث شریف میں ہے ''الراشی والمرتشی کلا ھمافی النار'' رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔ لیکن قیدی کو قید سے چھڑانے کے لئے یا اپنی عزت وآبرو بچانے کے لئے جب کہ رشوت کے علاوہ کوئی صورت نہ ہو تو دینے والے کے لئے ضرورتاً گناہ نہیں۔ لیکن لینے والے کے لئے ہر حال میں ناجائز وحرام ہے۔

۴۸. ماحرم فعله حرم طلبه (الأشباہ والنظائر ص: ۳۹۲)

”جس چیز کا کرنا حرام ہے اس کی طلب بھی حرام ہے“ یہ قاعدہ، مذکورہ قاعدہ سے قریب قریب ہے۔ جیسے زنا کاری کہ اس کا ارتکاب حرام ہے اسی طرح سے اس کی طلب بھی حرام ہے۔ گانے بجانے کا فعل جس طرح حرام ہے ایسے ہی اس کی طلب بھی حرام ہے۔

”ذمی کو جزئیہ دینا حرام ہے لیکن اس سے اس کی طلب جائز ہے۔ یہ مسئلہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔

۴۹. الأمر اذا ضاق اتسع و اذا تسع ضاق (الأشباہ و النظائر ص: ۲۴۹)

”معاملہ جب تنگ اور دشوار ہو جائے تو وسعت ملتی ہے اور جب وسیع ہو تو سخت کیا جائے“ مثلاً جب نماز کا وقت زیادہ تنگ ہو جائے تو اس وقت وضو کی سنتیں ترک کی جا سکتی ہیں اور وقت میں گنجائش ہونے کے باوجود بھی وضو میں زیادہ پانی بہانا یا وضو کے فرائض و سنن و مستحبات پر اضافہ کرنا جائز نہیں۔

۵۰. الولایۃ الخاصۃ اقویٰ من الولایۃ العامۃ (الأشباہ و النظائر ص: ۳۹۵)

”ولایت خاصہ ولایت عامہ سے زیادہ قوی ہوتی ہے“ مثلاً قاضی کو کسی یتیم لڑکی یا لڑکے کی تزویج و نکاح کا حق حاصل نہیں اگر اس کا ولی ہو خواہ وہ ولی عصبات میں سے ہو یا ذوی الارحام میں سے کیونکہ ولی کو ولایت خاصہ حاصل ہے۔ اور قاضی کو عام ولایت حاصل ہے۔ ولی خاص کو قصاص لینے، صلح کرنے اور قاتل کو بلا معاوضہ معاف کرنے کا اختیار اور حق حاصل ہے۔ امام کو معاف کرنے کا حق نہیں جیسا کہ قاعدہ ۵۳ میں آئے گا۔

۵۱. لاعبرة بالظن البين خطاء ہ (الأشباہ والنظائر ص:۳۹۸)

”جس گمان کا غلط ہونا ظاہر ہوگیا اس کا اعتبار نہیں“ اگر کسی صاحب ترتیب کی نماز عشا قضاء ہوئی اور نماز فجر کے وقت اس نے گمان کیا کہ وقت فجر تنگ ہو گیا ہے اس نے فجر کی نماز ادا کر لی پھر معلوم ہوا کہ وقت میں گنجائش ہے، تو پہلے نماز عشا ادا کرے۔ کیونکہ یہ صاحب ترتیب ہے اور اس کے بعد نماز فجر ادا کرے اور اگر وقت میں گنجائش نہ رہی تو صرف نماز فجر کا اعادہ کرے۔

۵۲. اذا اجتمع المباشر والمتسبب اضیف الحکم الی المباشر (الأشباہ والنظائر ص:۴۰۴)

”جب مباشر و متسبب یعنی کسی فعل کے مرتکب اور سبب بننے والے دونوں جمع ہوں تو حکم مباشر کی طرف منسوب ہوگا“۔ جیسے کسی شخص نے زیادتی کرتے ہوئے کنواں کھودا اور اس میں کسی دوسرے انسان نے کسی شی کو ڈال کر ضائع کر دیا تو ضمان کنواں کھودنے والے پر نہیں ہوگا بلکہ کنواں میں ڈالنے والے پر ہوگا کیونکہ ڈالنے والا ہی فعل کا مرتکب ہے۔

۵۳. تصرف الامام علی الرعیة منوط بالمصلحة

(الأشباہ والنظائر ص:۳۲۸)

”امام کا تصرف رعایہ پر مصلحت کے ساتھ موقوف ہے“ امام، خلیفہ یا سلطان کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ ایسے قاتل کو معاف کردے کہ جس کے مقتول کا کوئی وارث

ہی نہ ہوا گر وہ معاف کرے گا تو اس میں رعایہ کی مصلحت نہیں ہوگی لہذا رعایہ کی مصلحت کی خاطر وہ یا تو قصاص لے گا یا دیت۔

۵۴۔ الأصل فی الابضاع التحریم (الأشباہ والنظائر ص: ۲۱۰)

''بضع میں اصل حرمت ہے'' مثلاً جب کسی عورت میں حرمت وحلت جمع ہو جائیں تو غلبہ حرمت کو ہوگا اصل پر عمل کرتے ہوئے اسی وجہ سے فروج میں تحری جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں اصل حرمت ہے نکاح کو ضرورتاً جائز قرار دیا گیا ہے۔

۵۵۔ اذاتعارض المانع و المقتضی فانہ یقدم المانع

(الأشباہ والنظائر ص: ۳۱۸)

''جب مقتضی اور مانع جمع ہو جائیں تو مانع مقدم ہوگا'' مثلاً کوئی انسان اللہ کے راستہ میں جہاد کے لئے نکلا اور حالت جنابت میں قتل کر دیا گیا صحیح مذہب کے مطابق اس کو غسل نہیں دیا جائے گا مقتضی تو یہ ہے کہ اس کو غسل دیا جائے لیکن شہید کو غسل دینے سے منع کیا گیا ہے لہذا اس مانع کو غلبہ ہوگا غسل نہیں دیا جائے گا۔

۵۶۔ اعمال الکلام أولی من اھمالہ متی أمکن فان لم یمکن أھمل

(الأشباہ والنظائر ص: ۳۱۸)

''جہاں تک ممکن ہو کلام کو با معنی بنایا جائے اگر ممکن نہ ہو تو مہمل قرار دے دیا جائے'' اس قاعدہ کے مطابق اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ میں اس درخت سے نہیں کھاؤں گا وہ شخص اس کا پھل کھالے یا اس کو بیچ کر کوئی کھانے کی چیز کھالے تو اس کی قسم

ٹوٹ جائے گی اور کفارہ واجب ہوگا۔

۵۷ . انماتعتبر العادۃاذااطّردت أو غلبت (الأشباہ والنظائر ص: ۲۷۱)

”بیشک عادت کا اعتبار اس وقت ہوگا جبکہ مستمر یا غالب ہو“۔

۵۸ . التصرف اذالم یصادف محلہ کان لغوا (الأشباہ والنظائر ص:۱۱۷)

”اگر تصرف محل میں واقع نہ ہوتو لغو ہوگا“ مثلاً کسی انسان نے اجنبیہ سے کہا کہ میں نے تجھ کو تین طلاقیں دیں تو چونکہ یہ ایسا تصرف ہے کہ جو اپنے محل میں واقع نہیں ہوا ہے لہذا اس کا یہ کلام لغو ہو جائے گا۔

۵۹ .العمل بالعرف مالم یخالف الشریعة (شرح عقودرسم المفتی ۱۸۱)

”عرف پر عمل اس وقت تک ہے جبکہ شریعت کے مخالف نہ ہو“۔

۶۰ .التعامل حجة یترک به القیاس ویخص به الأمر

(شرح عقودرسم المفتی ۱۸۳)

”تعامل ناس حجت شرعی ہے اس کی وجہ سے قیاس چھوڑ دیا جائے گا اور حکم کی تخصیص ہو جائے گی“۔

۶۱ .الترجیح بغیر مرجح فی المتقابلات ممنوع

(شرح عقودرسم المفتی ۱۸۷)

”متقابلات میں بغیر مرجح کے ترجیح ممنوع ہے“۔

۶۲ .لایجوز ترک النص بالتعامل اصلاً انما یجوز تخصیصه

(شرح عقود رسم المفتی ۱۸۳)

”تعامل ناس کی وجہ سے نص کو چھوڑنا جائز نہیں ہے اس کی تخصیص درست ہے“۔

۶۳ .المرجوح فی مقابلة الراجح بمنزلة العدم

(شرح عقود رسم المفتی ۱۸۷)

”راجح کے مقابل مرجوح عدم کے درجہ میں ہے“۔

۶۴ .ذکر بعض مالایتجزی کذکر کله (الأشباه والنظائر ص: ۴۰۲)

”جس چیز کی تجزی نہیں ہوتی اس کے بعض کو ذکر کرنا کل کے ذکر کرنے کی منزل میں ہے“۔ جیسے کوئی اپنی بیوی سے کہے کہ میں تجھ کو نصف طلاق دیتا ہوں تو چونکہ طلاق میں تجزی نہیں ہوتی لہذا ایک طلاق واقع ہوگی۔ یا اس نے نصف عورت کو طلاق دی تو کل کو طلاق واقع ہوگی۔ ایسے ہی اگر قاتل کے جسم کے ایک حصہ کو معاف کیا تو کل کی معافی ہوجائے گی۔

لا عبرة فی المغلوب بمقابلة الغالب (شرح عقود رسم المفتی ۱۲۹)

”غالب کے مقابل مغلوب کا کوئی اعتبار نہیں ہے“

افتا

بیشک افتا یہ ایک پرخطر وادی ہے۔لیکن اس کار خیر میں رب تبارک وتعالیٰ نے بہت فضیلت رکھی ہے۔کیونکہ مفتی انبیائے کرام علیہم افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کا نائب اور فرض کفایہ کو ادا کرنے والا ہوا کرتا ہے۔

افتا کا تعلق حقوق اللہ وحقوق العباد، سیاست وامارت،انفرادیت و اجتماعیت، قوانین وجرائم اور عبادات ومعاملات غرض یہ کہ زندگی کے ہر شعبہ سے ہے۔اسی لئے مذہب ومعاشرت،اجتماعی وانفرادی مسائل کی ضرورت پڑتی ہے۔

افتا کا لغوی معنی

افتا کا لغوی معنی ''جواب دینا'' ہے۔اسی معنی کے لحاظ سے بادشاہِ مصر کا یہ قول اللہ ربّ العزت نے ذکر فرمایا ہے ﴿یَا اَیُّھَا الْمَلَأُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُؤْیَایَ اِنْ کُنْتُمْ لِلرُّؤْیَا تَعْبُرُوْنَ﴾ (پ:۱۲، س: یوسف، ع:۱۶ آیت:۴۳) یعنی اے درباریو! تم میرے خواب کا جواب دو اگر تمہیں خواب کی تعبیر آتی ہو۔(کنزالایمان)

افتا کا اصطلاحی معنی

اصطلاح فقہا میں افتا کا معنی ''مسئلہ کا حکم اور شرعی فیصلہ بتانا'' اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿یَسۡتَفۡتُوۡنَکَ قُلِ اللّٰہُ یُفۡتِیۡکُمۡ فِی الۡکَلٰلَۃِ﴾ (پ:۶، س:نساء، ع:۴، آیت:۱۷۶) یعنی اے محبوب تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں۔تم فرمادو کہ اللہ تم کو کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔(کنزالایمان)

علامہ سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''الافتاء بیان حکم المسئلة'' (التعریفات للشریف الجرجانی ص:۲۶) حکمِ مسئلہ کو بیان کرنے کا نام افتا ہے۔اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں ''الافتاء فانه افادة الحکم الشرعی'' (ردّالمحتار جلد/۴ ص:۳۳۶) یعنی شرعی فیصلہ سے آگاہ کرنے کو افتا کہتے ہیں۔

افتا کی فضیلت

افتا کی اہمیت وعظمت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر افتا کی نسبت خود اپنی جانب فرمائی ہے۔ارشاد ہے ﴿یَسۡتَفۡتُوۡنَکَ قُلِ اللّٰہُ یُفۡتِیۡکُمۡ فِی الۡکَلٰلَۃِ﴾ (پ:۶، س:نساء، ع:۴، آیت:۱۷۶) یعنی اے محبوب تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں۔تم فرمادو کہ اللہ تم کو کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔(کنزالایمان)

اللہ رب العزت نے سب سے پہلے افتا کے منصب عظیم سے اپنے مظہر اتم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سرفراز فرمایا۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن انبیائے کرام علیہم افضل التسلیمات کو بھی اس دار فانی میں بھیجا تو ان کو اتنے علم سے سرفراز فرمایا کہ وہ اپنی قوم کی ضرورت کے مسائل حل کرسکیں۔اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو علم فقہ حاصل کرنے کا حکم فرمایا اور ان کو

تفقہ کی دعوت دی تاکہ وہ اس علم کے ذریعہ قوم کے سوال کرنے پر ان کو حکم شرعی سے آگاہ کرسکیں اور قوم پر اتباع شریعت آسان ہوجائے۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے ﴿فَلَولَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرقَةٍ مِّنهُم طَآئِفَةٌ لِّيتفقَّهُوا فِي الدِّين ﴾ (پ: ۱۱، س: توبة، ع: ۴، آیت ۱۲۲) تو کیوں نہ ہوا کہ ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔ (کنزالایمان)

اس کی اہمیت وافادیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کام دینی خدمات میں سب سے زیادہ اہم ہے۔ اسی لئے فقہائے کرام نے فرمایا کہ جو عالم ایسا مرجعِ فتوی ہو کہ جس کو سنن رواتب پڑھنے کا موقع نہ مل سکے تو فجر کی سنتوں کے علاوہ دیگر سنن مؤکدات اس کے ذمہ سے ساقط ہوجاتی ہیں۔ فتاوی عالمگیری جلد اول ص: ۸۹/ پر ہے "قال مشائخنا العالم اذاصار مرجعافی الفتوىٰ يجوز له ترک سائرالسنن لحاجة الناس الى فتواه الا سنة الفجر كذافي النهاية"، یعنی مشائخ حنفیہ نے فرمایا کہ جب عالم فتوی میں مرجع ہوجائے تو اس کے لئے فجر کی سنتوں کے علاوہ تمام سنتوں کا چھوڑنا جائز ہے، لوگوں کے اس کے فتوی کی حاجت کی وجہ سے، ایسا ہی نہایہ میں ہے۔

اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جو نا جاننے والے ہیں ان کو حکم دیا کہ وہ معلوم کریں۔ آیت مبارکہ میں ہے: "فَاسئَلُوا اَهلَ الذِّكرِ اِن كُنتُم لَا تَعلَمُونَ" (پ: ۱۴، س: نحل، ع: ۱۲، آیت/۴۳) تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔ (کنزالایمان)

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تلاوت قرآن میں مشغول ہو اور اذان کی آواز آئے تو تلاوت روک کر اذان غور سے سنے اور اس کا جواب دے۔

لیکن اگر فقہا کی جماعت علمی تذکرے میں ہو تو ان کے لئے وہ حکم نہیں تنویرالابصار و درِّ مختار میں ہے "ويجيب من سمع الأذان ولو جنبالا حائضاو

تعلیم علم وتعلمه بخلاف القرآن"اه. ملخصاً۔یعنی اذان کو جو سنے وہ جواب دے اگرچہ جنبی ہو حائضہ جواب نہ دے، نہ وہ جو علم کی تعلیم دینے یا حصول علم میں مشغول ہو،قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا جواب دے۔اسی عبارت کے تحت علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں"ای شرعی فیما یظھر ولذاعبر فی الجوھرۃ بقرائۃ الفقه" (فتاوی شامی جلداول ص:۳۹۶) یعنی علم سے مراد علم شرعی ہےاسی لئے جوہرہ میں فقہ کی قراءت فرمایا ہے۔

مفتی اور قاضی میں فرق

خاتم الفقہاء والمحققین علاّمہ سید محمد امین بن عمر المعروف بابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں"ولافرق بین المفتی والحاکم الا ان المفتی مخبرٌ بالحکم ، والقاضی ملزوم به" یعنی مفتی وقاضی دونوں میں سے کسی کے لئے خواہشات پر عمل کرنا جائز نہیں اس اعتبار سے قاضی اور مفتی کے درمیان کوئی فرق نہیں صرف یہ کہ مفتی حکم بتانے والا ہوتا ہے اور قاضی حکم کو نافذ کرنے والا ہوتا ہے۔

آداب افتا

افتا فرض کفایہ ہے۔اگر کسی مفتی سے سوال کیا گیا اور وہاں کوئی دوسرا جواب دینے والا نہیں ہے تو یہ جواب دینے کے لئے متعین ہے۔اور اگر کوئی دوسرا ہے اور وہ

حاضر ہے تو ان دونوں پر جواب دینا یہ فرض کفایہ ہے۔

فتوی دینا حقیقتاً مجتہد کا کام ہے، کہ سائل کے سوال کا جواب کتاب وسنت، اجماع وقیاس سے وہی دے سکتا ہے۔لیکن افتا کا دوسرا درجہ نقل ہے۔یعنی صاحب مذہب سے جو بات ثابت ہے سائل کے جواب میں اسے بیان کر دینا اس کا کام ہے۔ اور یہ حقیقتاً فتویٰ دینا نہ ہوا بلکہ مستفتی کے لئے مفتی (مجتہد) کا قول نقل کر دینا ہوا کہ وہ اس پر عمل کرے۔حضرت امام غزالی رضی اللہ تعالی عنہ نے فقیہانہ اوصاف کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

''فقیہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے اور آخرت کی طرف ہمیشہ راغب رہے، دین میں کامل بصیرت رکھتا ہو، طاعات پر مداومت اپنی عادت بنا لے، کسی حال میں بھی مسلمانوں کی حق تلفی برداشت نہ کرے، مسلمانوں کا اجتماعی مفاد ہر وقت اس کے پیش نظر ہو، مال کی طمع نہ رکھے، آفات نفسانی کی باریکیوں کو پہچانتا ہو، عمل کو فاسد کرنے والی چیزوں سے بھی باخبر ہو، راہ آخرت کی گھاٹیوں سے واقف ہو، دنیا کو حقیر سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس پر قابو پانے کی قوت بھی اپنے اندر رکھتا ہو، سفر و حضر اور جلوت وخلوت ہر وقت دل پر خوف الٰہی کا غلبہ ہو'' (احیاء العلوم)

یہاں افتا کے بعض ضروری مسائل لکھے جاتے ہیں:

۱۔فتوی لکھتے وقت مفتی کی نیت خالص اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا و خوشنودی، خدمت خلق اور اصلاح معاشرہ ہو، ریا کاری، ناموری، حصولِ زر اور طلب شہرت وغیرہ سے پاک وصاف ہو۔

۲۔مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ شریعت کے بنیادی مصادر سے واقف ہو

خصوصا کتاب وسنت، تفسیر وحدیث کے موجودہ ذخیرے پر وسیع نگاہ ہونی چاہیئے تا کہ وہ پوری بصیرت کے ساتھ ائمہ مذہب کے اقوال کی تفہیم اور تلقین کی ذمہ داری ادا کر سکے اور نئے نئے مسائل کے جوابات کتاب وسنت کی جاں بخش ضیاؤں میں اصول ائمہ مذہب سے استفادہ کرتے ہوئے مدلل پیش کر سکے۔

۳۔مفتی کو ہوشیار، بیدار مغز، انتہائی ذہین وفطین ہونا چاہیئے۔غفلت برتنا اس کے لئے درست نہیں، کیونکہ اس زمانہ میں اکثر حیلہ سازی اور ترکیبوں سے واقعات کی صورت بدل کر فتوی حاصل کر لیتے ہیں،اور لوگوں پر یہ ظاہر کرتے ہیں، کہ یہ فلاں مفتی نے مجھے فتوی دیا ہے۔محض فتوے کا ہاتھ میں ہونا اپنی کامیابی تصور کرتے ہیں بلکہ اس کی وجہ سے مخالف پر غالب آجاتے ہیں اس کو کون دیکھے کہ واقعہ کیا تھا،اور اس نے سوال میں کیا ظاہر کیا۔

۴۔فتوی نویسی میں غفلت نہ برتے چونکہ فتوی نویسی میں تساہل جائز نہیں ہے۔ اور غفلت وتساہل کا مطلب یہ ہے کہ وہ ثابت قدم نہ رہے۔فتوی میں جلدی نہ کرے جب تک کہ سوال کو پڑھ کر مطمئن نہ ہو جائے۔یا پھر یہ کہ اس فتوی سے اس کی کوئی فاسد اغراض وابستہ ہوں کہ وہ حرام یا مکروہ حیلوں کو تلاش کرے، یا شبہ سے دلیل پکڑے حصول رخصت کے لئے۔

۵۔سوال کے لب ولہجہ، سیاق وسباق سے یہ پہچان لینا کہ سائل کا منشا کیا ہے؟ سائل سے واقعہ کی تحقیق کرے اپنی طرف سے شقوق نکال کر سائل کے سامنے بیان نہ کرے مثلا یہ صورت ہے تو یہ حکم ہے اور یہ صورت ہے تو یہ حکم ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو صورت سائل کے موافق ہوتی ہے اسے اختیار کر لیتا ہے اور گواہوں سے ثابت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو مصنوعی گواہ بھی بنا لیتا ہے۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ نزاعی معاملات میں

اس وقت فتوی دے جب فریقین کو طلب کر لے اور ہر ایک کا بیان دوسرے کی موجودگی میں لے اور جس کے ساتھ حق دیکھے اسے فتوی دے دوسرے کو نہ دے جو شخص بہت تنقیدی نظر نہ رکھتا ہو وہ اس کو شاید ہی جان سکے یہ بہت ماہر حاذق کا کام ہے۔

۶۔ مفتی جس امام کی تقلید کرتا ہے تو اس مذہب کی کتابوں اور فقہائے کرام کے علمی مراتب اور طبقات سے پوری طرح واقفیت رکھتا ہو تاکہ اس ناقل مفتی کو اقوال ائمہ کی نقل و روایت میں کوئی دشواری پیش نہ آئے، اور نہ وہ اس راہ میں تسامح کا شکار ہو، بلکہ پوری بصیرت کے ساتھ افتا کے منصبی فرائض کو انجام دے۔

۷۔ مفتی کو چاہئے کہ وہ متداول کتب فقہ کا کامل مطالعہ کئے ہوئے ہو اور اس کے حافظہ میں فقہی کلیات و جزئیات محفوظ ہوں۔ زبان عرب کا پورا پورا ماہر ہو کہ عبارت النص، دلالت النص، اشارۃ النص اور اقتضاء النص وغیرہ کے ذریعہ فقہی عبارتوں کے جملہ معانی و مفاہیم سمجھنے کا ملکہ رکھتا ہو۔

۸۔ مفتی پر یہ بھی لازم ہے کہ فتوی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے قول پر دے۔ اسی مستحکم اتباع کی وجہ سے ہی تو اسے حنفی کہا جاتا ہے۔ شرح عقود رسم المفتی میں ہے، کہ فتوی علی الاطلاق امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے قول پر ہوگا۔ پھر امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر پھر امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر پھر امام زفر اور حسن بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کو لیا جائے گا۔ البتہ جہاں اصحاب فتوی اور اصحاب ترجیح نے امام اعظم کے علاوہ دوسرے کے قول پر فتوی دیا ہو یا ترجیح دی ہو تو جس پر فتوی یا ترجیح ہو اس کے موافق فتوی دیا جائے گا۔ اور بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کسی مسئلہ میں ایک جانب ہو اور امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے اس کے خلاف ہو تو مفتی کو اختیار ہے کہ

جس قول پر چاہے فتوی دے اور پہلی صورت (امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر فتویٰ دینا) اصح ہے۔ اور مفتی مقلد کے لئے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر فتوی دینا لازم ہے۔

۹۔ اصحاب ترجیح نے جس قول کو ترجیح دے دی، تو مفتی کو اس کے خلاف فتوی دینا ہرگز جائز نہیں ہے اور اگر کسی مسئلہ میں مختلف اقوال مصححہ پائے جائیں تو ان میں سے جو سب سے زیادہ مؤکد اور راجح ہو اس پر عمل کیا جائے۔

۱۰۔ جب کسی حادثہ میں اول طبقہ کے لوگوں میں سے کسی کے قول سے حادثہ کا جواب نہ معلوم ہو اور اس میں مشائخ متأخرین کا کوئی قول مل جائے تو اس پر عمل کیا جائے گا اور اگر اس میں متأخرین فقہا کا بھی اختلاف ہو تو جس پر اکابر فقہا ہوں اور وہ کبار مشاہیر کے معتمد ہوں اس پر عمل کیا جائے گا۔ اور جب ان لوگوں سے بھی اس کے جواب میں کوئی قول نہ ہو تو مفتی تأمل و تدبر اور اجتہاد کی نظر سے کام لے گا۔ اور تلاش کرتا رہے گا تا آں کہ اس کے جواب میں کوئی ایسی صورت پائے کہ جس سے وہ اپنے فرض منصبی سے سبکدوش ہو سکے۔

۱۱۔ مفتی جواب دینے میں احتیاط و تأمل کا دامن نہ چھوڑے۔ جواب معلوم ہونے کے باوجود بھی غور و خوض، تلاش و جستجو سے کام لے جب جواب کی صحت کا یقین کامل حاصل ہو جائے تب جواب کو لکھے ورنہ بسا اوقات سوال کے جزئیات مختلف ہونے کے سبب جواب کی نوعیت بھی بدلتی رہتی ہے۔ اگر باریک بینی اور غور و خوض سے کام نہ لیا جائے تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ معاملہ کچھ کا کچھ ہو جائے۔

۱۲۔ فتوے کے شرائط سے یہ بھی ہے کہ سائلین کی ترتیب کا لحاظ رکھے، امیر و غریب کا امتیاز نہ کرے۔ یہ نہ ہو کہ کوئی مالدار یا حکومت کا ملازم ہو تو اس کو جواب پہلے

دیدے اور جو غریب لوگ پیشتر سے بیٹھے ہوئے ہیں انہیں بٹھائے رکھے بلکہ جو پہلے آیا اسے پہلے جواب دے اور جو بعد میں آیا اسے بعد میں کسے باشد۔

۱۲۔ مفتی کو چاہئے کہ کتاب کو عزت وحرمت کے ساتھ لے کتاب کی بے حرمتی نہ کرے۔ اور جو سوال اس کے سامنے پیش ہوا اسے غور سے پڑھے پہلے سوال کو اچھی طرح سمجھ لے اس کے بعد جواب دے بارہا ایسا بھی ہوتا ہے کہ سوال میں پیچیدگیاں ہوتی ہیں جب تک مستفتی سے دریافت نہ کیا جائے سمجھ میں نہیں آتا ایسے سوال کو مستفتی سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس کی ظاہری عبارت پر ہرگز جواب نہ دیا جائے، اور یہ بھی ہوتا ہے کہ سوال میں بعض ضروری باتیں مستفتی ذکر نہیں کرتا اگرچہ اس کا ذکر نہ کرنا بددیانتی کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس نے اپنے نزدیک اس کو ضروری نہیں سمجھا تھا مفتی پر لازم ہے کہ ایسی ضروری باتیں سائل سے دریافت کرے تاکہ جواب واقعہ کے مطابق ہو اور جو کچھ سائل نے بیان کردیا ہے مفتی اس کو اپنے جواب میں ظاہر کردے تاکہ یہ شبہ نہ ہو کہ جواب وسوال میں مطابقت نہیں ہے۔

۱۳۔ ایسے وقت میں فتوی نہ دے جب مزاج صحیح نہ ہو مثلاً غصہ یا غم یا خوشی کی حالت میں ہو اور جب طبیعت ٹھیک نہ ہو تو بھی فتوی نہ دے۔ ہاں اگر اسے یقین ہو کہ اس حالت میں بھی جواب صحیح ہوگا تو فتوی دینا درست ہے۔

۱۴۔ افتا کی عظمت وحرمت کا لحاظ کرتے ہوئے سوال کا کاغذ ہاتھ میں لیا جائے اور جواب لکھ کر ہاتھ میں دیا جائے اسے سائل کی طرف پھینکا نہ جائے کیونکہ ایسے کاغذات میں اکثر اللہ عزوجلّ کا نام ہوتا ہے۔ قرآن کی آیات ہوتی ہیں احادیث ہوتی ہیں ان کی تعظیم ضروری ہے اور یہ چیزیں نہ بھی ہوں تب بھی فتوی خود تعظیم کی چیز ہے کہ اس میں حکم شریعت تحریر ہے۔ اور حکم شرع کا احترام لازم ہے۔

بعض اصول وآداب مشقِ افتا

ا۔نیت اللہ تبارک وتعالیٰ اوراس کے حبیب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی رضاوخوشنودی اورخدمت خلق ہو،ناموری،حصول زراورطلب شہرت وغیرہ سے پاک وصاف ہو۔

۲۔ارباب افتا کو چاہئے کہ روزانہ تھوڑے تھوڑے قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ ترجمہ وتفسیر خاص طور پر کنزالایمان اور مختصر تفسیر خزائن العرفان کے مطالعہ کا معمول رکھیں۔

۳۔روزانہ بغیر ناغہ کئے ہوئے بہار شریعت کے کم ازکم دس صفحات کا بغور مطالعہ کریں،جہاں فہم میں اشتباہ ہوتو فوراً اصل ماخذ کی طرف رجوع کریں۔اس کے ساتھ فتاوی رضویہ کے مختصر مسائل کا بھی مطالعہ کریں،اس طرح کہ پہلے سوال کو بغور پڑھیں اور اپنے طور پرغوروفکر کریں کہ اس کا جواب کیا ہوسکتا ہے،اورکہاں سے شروع ہوگا اس کے بعد اعلی حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب ملاحظہ کریں۔اس کار اہم کے لئے ضرور وقت نکالیں۔

۴۔سوال فہمی میں جلد بازی سے کام نہ لیں خوب اچھی طرح سوال سے سائل کی مراد کو سمجھیں اگرچہ سوال چندمرتبہ پڑھنا پڑے۔پھر جواب تیار کرنے کے لئے معتمد عربی کتب فقہ وفتاوی سے صریح جزئیات تلاشیں پھراردو کتب فقہ وفتاوی خصوصا بہارشریعت اورفتاوی رضویہ سے جزئیات اخذکریں جب خوب مطمئن

ہولیں تو جواب محتاط انداز میں تحریر کریں، اور بہتر رہے کہ جواب میں عربی جزئیات کے ساتھ فتاوی رضویہ اور بہارشریعت سے کسی صریح جزئیہ کو نقل کرنے کا التزام رکھیں۔درمختار، شامی، فتاوی ہندیہ اور فتاوی رضویہ وغیرہ جس کتاب میں اس کے موافق اور صاف جزئیہ ہو اس کتاب سے بقدر حاجت صاف صاف نقل کریں اور ہو سکے تو عربی وفارسی جزئیات کا ترجمہ بھی تحریر کردیں۔جزئیہ جس کتاب کا ہو تو جزئیہ کے بعد حوالہ ضرور تحریر کردیں مثلا (فتاوی رضویہ---ج---ص---) وغیرہ۔اور اگر وہی جزئیہ دوسری کتب میں بھی ہو تو اس کے بعد اس طرح لکھیں اور ایسا ہی فتاوی شامی ---ج-- - --- ص-----بہارشریعت---ج---ص---میں بھی ہے، اس کے بعد اپنا سوال وجواب پڑھیں اور اطمنان حاصل کریں کہ جواب سوال کے مطابق ہے، یا نہیں؟ اور اگر کتابت، وضاحت، تعبیر، رسم الخط اور سلاست میں کسی قسم کی کوئی کمی یا نقص ہو اسے دور کریں۔

۵۔کوئی مسئلہ اگر کتب فتاویٰ میں یا ان کے علاوہ دیگر سلف وخلف کی کتابوں میں مذکور نہ ہو تو بعد کے فقہائے معتمدین کی کتب فقہ وفتاوی کی طرف رجوع کریں اطمنان ہو جانے پر انہیں حضرات کی طرف منسوب کر کے مسئلہ نقل کریں، نزاعی مسائل میں احتیاطی راہ پر گامزن رہیں اور جدید مسائل میں علمائے معتمدین خصوصا حضور مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا بریلوی علیہ الرحمہ، صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ، اجمل العلما حضرت مفتی محمد اجمل صاحب علیہ الرحمہ، فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد صاحب امجدی علیہ الرحمہ اور جانشین حضور مفتی اعظم قاضی القضاۃ فی الہند حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا قادری ازہری کی تصانیف کا مطالعہ کریں۔

۶۔فتوی اسی وقت لکھیں جب حاضر ذہنی ہو، دماغ یک سو ہو،فتوی کے شروع میں ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“یا”باسمہ تعالیٰ والصلوۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلی“ وغیرہ لکھیں۔پھر سطر جدید سے”الجواب“ لکھ کر جواب لکھنا شروع کریں۔

۷۔جواب واضح،عام فہم اور سلیس زبان میں ہو،خوشخط اور صاف ہو،اور اس کی تائید میں ایک دو جزئیات ضرور نقل کریں،جس میں اس چیز کا اعتبار رہے کہ جزئیہ ”مفتیٰ بھا،مصححہ“ ہو اور بقدر حاجت ہو نہ اس سے کم نہ زائد،عبارت میں اگر استثنا ہو تو مستثنی اور مستثنی منہ دونوں لکھیں،جملہ اسمیہ ہو تو مبتدا و خبر دونوں ذکر کریں یعنی عبارت اس قدر ہو کہ جس سے پورا مفہوم واضح ہو جائے۔

۸۔جہاں جواب مکمل ہو وہیں متصلاً ”واللہ تعالیٰ اعلم“ لکھیں ”ھٰذا عندی،ھٰذا ماظھر لی،لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا“ وغیرہ نہ لکھیں،کہ پہلے دونوں ایسی تحقیق کے لئے لکھے جاتے ہیں کہ جس میں قائل خود کو منفرد محسوس کرے، اور آخری جملہ ایسے پیچیدہ مسئلہ کے آخر میں لکھا جاتا ہے کہ جس کا حکم قائل کے لئے مشتبہ ہو یا باعث حرج وضرر ہو، ہمارا مقصد صرف نقل حکم ہے۔لہذا صرف نقل پر اکتفاء کریں۔

۹۔استشہاد میں صرف جزئیات فقہیہ پر اکتفا کریں،آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ سے استشہاد صرف ایسے ہی مسائل میں کر سکتے ہیں کہ جن میں فقہائے کرام سے استشہاد ثابت ہے۔

۱۰۔ جواب کے شروع میں صورت مسئولہ،صورت مستفسرہ یا اس کے مثل دوسرے الفاظ وہاں لکھے جاتے ہیں جہاں سوال کی واقعیت مشکوک ہو۔

۱۱۔فتاوی رضویہ،رسم المفتی وغیرہ کتب معتمدہ سے فوائد فقہیہ اور اصول افتا کو

اپنی خاص کاپی میں درج کرلیں اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں اچھی طرح ذہن نشین کرلیں اور فتویٰ نویسی میں اس کی پابندی کریں۔

۱۲۔ درمختار سے کوئی عبارت نقل کرنے سے قبل اس پر علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا نوٹ ضرور پڑھ لیں۔ اور بہتر یہ ہے کہ اس مقام پر جدالممتار بھی دیکھ لیں اور اعلی حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تشریحات کے مطابق درمختار سے استفادہ کریں۔

۱۳۔ اگر اصحاب معاملہ کا اصل نام لکھ کر سائل سوال کرے اور حکم فسق، فجور، عصیان، غصب، تعدی، زنا، کفر وارتداد وغیرہ کا ہو تو جواب سے احتراز کریں۔ کہ یہ احکام تو بعد تحقیق کامل دیئے جاسکتے ہیں۔

۱۴۔ اگر فتویٰ میں کسی مقام پر آیت کریمہ پیش کرنی ہو تو رسم قرآنی کے مطابق ہی اسے نقل کریں کہ رسم قرآنی رسم عثمانی ہے۔ جس کی رعایت واجب ہے۔ ساتھ ہی مکمل اعراب لگانے کا بھی التزام کریں اور ترجمہ کنزالایمان سے نقل کریں۔

۱۵۔ فتوی میں اگر کوئی لفظ ایسا آجائے کہ جس کے تلفظ میں خطا کا اندیشہ ہو تو اسے حرکات وسکنات سے مزین کریں جیسے لفظ ''حکم'' کہ یہ حُکم، حَکَم بھی ہوسکتا ہے اور حِکم بھی ہوسکتا ہے۔ اسی طرح لفظ مکرہ کہ یہ مُکرَہ اور مُکرِہ ہوسکتا ہے۔ فقہی کتابوں کی عبارات (جزئیات) میں سوائے مشتبہ الفاظ کے اعراب لگانے کی حاجت نہیں۔

۱۶۔ اس میدان کے رجال ہزار تجربات ومہارات کے باوجود بھی طالب علم ہی رہتے ہیں اس لئے ہمیشہ اپنے آپ کو طالب علم ہی تصور کریں ارباب علم فقہ سے تبادلۂ خیال کرتے رہیں بڑوں سے استفادہ کریں اور ہر حال میں ان کا ادب ملحوظ رکھیں۔

۱۷۔ جس باب کا سوال آپ کے سامنے پیش کیا جائے پہلے اس پورے باب کو بغور مطالعہ کریں پھر اس میں سوال کا جواب تلاش کریں اور ہرگز ہرگز قدرے حاجت پر

اکتفانہ کریں۔اس طرح کہ جس باب کا سوال ہے پہلے اسی باب میں حکم تلاش کریں،نہ ملنے پر غوروفکر کریں کہ کہاں مل سکتا ہے اور ممکنہ تمام ابواب ومقامات کا مطالعہ کریں اور ناکامی سے ہرگز ملول خاطر نہ ہوں۔یادرکھیں ”**من جدّو طلب فوجد**“۔

۱۸۔تحریر کی لائن چھوٹی بڑی نہ ہونے دیں بلکہ تمام لائنیں برابر رکھیں البتہ نیا مضمون نئی سطر سے شروع کریں۔ایک فتوی میں مختلف قسم کی روشنائی استعمال نہ کریں۔اور صفحات کی دائیں بائیں دونوں جانب دوڈھائی انچ کا حاشیہ چھوڑ دیں۔فتوی کے آخر میں ”**واللہ تعالی اعلم**“ کے بعد نیچے کی سطر میں ” **کتبہٗ** “ لکھ کر پورا نام،اس کے نیچے کی سطر میں اپنا عہدہ،پتہ اور اس کے بعد نیچے تاریخ لکھیں،اور عربی تاریخ کا التزام کریں۔

مختصر تعارف وفہرست کتب فقہ وفتاوی

صاحب ہدایہ

نام ونسب:۔ آپ کی ولادت با سعادت ۸/رجب المرجب (۵۱۱ھ) دوشنبہ کے روز بعد نماز عصر فرغانہ کے مشہور شہر مرغینان میں ہوئی۔ فرغانہ ماوراء النہر کا ایک حصہ تھا جس میں بخارا، بیکند، دیوسیہ، سمرقند، تاشقند، کاسان، کاشغر اور ترمذ وغیرہ کی ریاستیں شامل تھیں یہ تمام علاقے علوم وفنون کے مرکز تھے۔ یہاں سے بیشمار علماء کرام پیدا ہوئے۔ فرغانہ بھی ان دنوں اہم مراکز علم میں شمار کیا جاتا تھا بالخصوص اس کے شہر مرغینان کے ذرے ذرے سے علم وحکمت کے چشمے جاری تھے۔

آپ کا نام علی، کنیت ابوالحسن اور لقب برہان الدین وشیخ الاسلام ہے۔ اور سلسلۂ نسب اس طرح ہے: علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل بن خلیل بن ابی بکر فرغانی مرغینانی۔ اوپر جا کر آپ کا نسب نامہ خلیفۂ اول امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے مل جاتا ہے۔

تعلیم وتربیت:۔ صاحب ہدایہ علیہ الرحمہ کی مرکز علوم وفنون شہر مرغینان میں

پیدائش ہوئی اور آپ نے ایک علمی ماحول میں آنکھیں کھولیں ۔آپکے نانا جان قاضی عمر بن حبیب بن علی مرغینانی اور شمس الائمہ سرخسی کے شاگرد رشید، متبحر عالم دین اور دقیق النظر مفتی شرع متین تھے اپنے نانا کی سرپرستی میں صاحب ہدایہ نے پورے ذوق وشوق سے ابتدائی تعلیم ان کے پاس حاصل کی ۔نانا کے انتقال کے بعد آپ نے حدیث وفقہ کی تحصیل کے لئے مختلف مقامات کا سفر کیا۔

صاحب ہدایہ علیہ الرحمہ اپنے زمانہ کے امام، فقیہ، محدث، مفکر، مفسر، محقق، مدقق، اصولی، ادیب، شاعر، جامع العلوم اور بلند پایا عالم وفاضل تھے۔علم وادب کے ساتھ تقوی وپرہیزگاری اور زہد وورع میں بھی کمال کو پہونچے ہوئے تھے۔آپ کو فقہ حنفی پر کامل عبور حاصل تھا۔

آپ کی وفات سہ شنبہ ۱۴/ذی الحجہ (۵۹۳ھ) کو سمرقند میں ہوئی شہر ما کر دین میں ''تربۃ المحمدین'' کے قریب دفن کئے گئے۔تربۃ المحمدین سمرقند کا ایک ایسا قبرستان ہے کہ جہاں تقریبا چارسو ایسے اشخاص مدفون ہیں جو صاحب تصنیف وافتا اور اہل علم تھے۔اوران میں سے ہر ایک کا نام محمد تھا۔آپ کو بھی اسی قبرستان میں دفن کرنے کی کوشش کی گئی مگر چونکہ دفن کرنے کے لئے محمد نام ہونا شرط تھا ذمہ داران قبرستان نے تدفین کی اجازت نہ دی اسی لئے آپ کو اسی کے قریب کسی دوسری جگہ سپرد خاک کیا گیا۔

....

ہدایۃ اولین مطبوعۃ المجمع الاسلامی الجامعۃ الاشرفیۃ

مبارکفوراعظم جرہ

ھدایة آخرین مطبوعة المجمع الاسلامی الجامعة الاشرفیة مبارکفوراعظم جرہ

صاحب ردالمحتار

ردالمحتار یہ علم فقہ کی مشہور کتاب ہے جو کہ درمختار کی شرح ہے اس کو علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ نے تصنیف فرمایا۔ درمختار یہ تنویرالابصار کی شرح ہے اس کو محمد بن عبدالرحمٰن حصکفی علیہ الرحمہ نے تصنیف فرمایا اور یہ تنویرالابصار کی شرح ہے۔ تنویرالابصار ابراہیم بن محمد تمرتاشی علیہ الرحمہ کی تصنیف ہے۔

نام ونسب:۔ آپ کی پیدائش دمشق میں (۱۱۹۸ھ) میں ہوئی آپ کا نسب اس طرح ہے محمد بن محمد بن امین بن عمر، علاء الدین، ابن عابدین۔ آپ دیار شام کے مفتی اور اپنے زمانے میں حنفیوں کے امام تھے۔ آپ نے علم فقہ کی تعلیم اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاصل کی۔ اور آپ کے والد علوم وفنون کے جامع تھے کہ جن کے پاس تشنگان علم کی بھیڑ جمع رہتی تھی۔

امام زرکلی علیہ الرحمہ نے آپ کی توصیف میں اعلام میں کہا ہے "بأنه فقيه حنفي كوالده وعالم من علماء دمشق "یعنی علامہ شامی اپنے والد محترم کی مثل حنفی فقیہ تھے اور دمشق کے علماء میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔

تصانیف:۔ آپ کی تصانیف کثیر ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ ردالمحتار علی الدر المختار جو کہ فتاوی شامی، حاشیہ ابن عابدین کے نام سے مشہور ہے۔ ۲۔ رفع الأنظار علی الدر المختار ۳۔ عقود رسم المفتی ۴۔ العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة ۵۔ الرحیق المختوم فی الفرائض ۶۔ مجموع رسائل ابن عابدین وغیرہ۔

صاحب درمختار

نام ونسب:۔ آپ کا نسب یوں ہے، محمد بن علی بن محمد بن علی بن عبدالرحمٰن بن محمد الحصنی الدمشقی۔ آپ علامہ حصکفی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کی ولادت (۱۰۲۱ھ) یا (۱۰۲۵ھ) کو دمشق میں ہوئی۔

علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار فقہاء، محدثین، مفسرین، اصولیوں اور نحویوں سے ہوتا ہے۔ آپ نے محمد محاسنی سے علم حاصل کیا اس کے بعد رملہ گئے اور وہاں خیر الدین بن احمد خطیب سے اور قدس میں فخر الدین بن زکریا سے علم کا استفادہ کیا۔ اور جب حج فرمایا تو مدینہ منورہ میں احمد قشاشی سے علم حاصل کیا۔ اور حنفی مسند افتا پر فائز ہوکر خلق کثیر کو فائدہ پہونچایا۔

آپ نے کثیر کتابیں مختلف علوم وفنون میں تصنیف فرمائیں جو تحقیق وتدقیق پر مبنی ہیں جس کی وجہ سے ان کو عظیم مقبولیت حاصل ہوئی۔ ان میں سے جن پر میں مطلع ہوا وہ یہ ہیں:۔

۱۔ ''شرح تنویر الأبصار ''جس کا نام آپ نے'' درمختار '' رکھا اور آپ نے اس کی شرح بھی تحریر فرمائی جس کا نام'' خزائن الأسرار وبدائع الأفکار'' رکھا۔لیکن افسوس کہ یہ فقہ حنفیہ کے فروع میں تھی اور پایۂ تکمیل کو نہ پہونچ سکی۔ ۲۔''شرح علی المنار'' یہ اصول الفقہ میں ہے اس کا نام آپ نے ''افاضۃ الأنوار'' رکھا۔۳۔''شرح علی القطر'' یہ علم نحو میں ہے جو کہ ''شرح قطر الندی'' کے نام سے مشہور ہے۔٤۔''تعلیقۃ علی انوار التنزیل للبیضاوی'' یہ کتاب علم تفسیر میں ہے۔٥۔''تعلیقۃ علی الجامع الصحیح للبخاری'' اس میں جامع صحیح بخاری پر آپ نے حواشی کا اضافہ کیا ہے۔٦۔ ''الجمع بین فتاوی ابن نجیم و التمرتاشی''اس کتاب کے اندر آپ نے ابن نجیم اور تمرتاشی کے فتاوی میں تطبیق کی ہے۔٧۔''الدر المنتقی فی شرح الملتقی'' یہ کتاب ''ملتقی الأبحر'' کی شرح ہے۔

آپ کی وفات ۱۰ر شوال المکرّم (۱۱۹۸ھ) کو دمشق میں ہوئی اور آپ باب صغیر کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

صاحب تنویر الابصار

نام ونسب:۔ آپ غزہ نامی ایک شہر میں (۹۳۹ھ) کو پیدا ہوئے۔آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے: محمد بن عبداللہ بن احمد بن محمد بن ابراہیم بن محمد خطیب غزی حنفی۔

مختلف عناوین پر آپ نے کتابیں تصنیف فرمائیں لیکن ان میں زیادہ کا تعلق علم فقہ سے ہے۔آپ کی تصنیف کردہ کتابیں یہ ہیں:۔

۱۔تنویر الأبصار وجامع البحار ۲۔منح الغفار ۳۔اعانۃ الحقیر لزاد الفقیر

الفوائد المرضية فی شرح قصیدة اللامیة ٤ _الوصول الی قواعدالأصول ٥ _ عقد الجواهر النیرات فی بیان خصائص الکرام العشرة الثقات ٦ _سعفة الحکام علی الأحکام المتعلقة بالقضاة والحکّام"مسعف الحکام علی الأحکام" ٧ _الأحکام المتعلق بالُقضاة والحکام ٨ _تحفة الأقران أرجوزة فی الفقه ٩ _رسالة فی دخول الحمام ١٠ _مواهب المنان شرحه تهفة الأقران الفتاوی ١١ _رسالة القضاء ١٢ _رسالة فی المسح علی الخفین ١٣ _رسالة فی النقود ١٤ _رسالة فی النکاح ١٥ _رسالة فی الوقوف ١٦ _ رسالة فی النفائس فی احکام الکنائس ١٧ _شرح بدء الأمالی ١٨ _شرح العوالی للجرجانی ١٩ _ شرح القطر ٢٠ _شرح کنزالدقائق ٢١ _شرح المنار للنسفی ٢٢ _ شرح مختصر المنار ٢٣ _شرح الوقایه ٢٤ _شرح مشکلات ٢٥ _عصمة الأنبیاء ٢٦ _ فرائض التمرتاشی ٢٧ _ مشکلات المسائل ٢٨ _معین المفتی علی جواب المستفتی ٢٩ _منظومة فی التصوف ٣٠ _شرح المنظومة التصوف _

آپ کی وفات رجب المرجب کے آخری عشرے میں (۱۰۰۴ھ) کو ہوئی۔

درّ مختارمع فتاویٰ شامی مطبوعة زکریا بکڈپو دیو بند سهارنفور

المحتویات	ازصفحه	تا صفحه

المجلدالأول

۱. کتاب ا لطهارة	۱۸۳	ختم المجلدالأول

المجلدالثانی

المجلدالثالث

المجلدالرابع

المجلدالخامس

المجلدالسادس

المجلدالسابع

المجلدالثامن

المجلد التاسع

المجلد العاشر

المجلدالحادی عشر

المجلدالثانی عشر

فتاوی عالمگیری

یہ کتاب مستطاب سلطان الہند ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حکم سے اکابر علماء ہند نے ان بڑی بڑی کتابوں سے جو کہ عالمگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کتب خانہ میں موجود تھیں ان ضروری مسائل کو منتخب کر کے جمع کیا جو بہت زیادہ پیش آتے ہیں۔

اور اس کتاب کو ترتیب دینے کے لئے جو کمیٹی قائم کی تھی وہ تقریباً چھ افراد پر مشتمل تھی۔ اس کے صدر شیخ نظام الدین برہانپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے۔ ملا حامد جونپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ معلم شاہزادۂ محمد اکبر، قاضی مولانا محمد حسین جونپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، آپ عالمگیر کے زمانہ میں الٰہ آباد اور شاہجہاں کے زمانہ میں جونپور کے قاضی تھے۔ مولانا محمد ابوالخیر ٹھٹوی، ملا جمیل صدیقی جونپوری اور مولانا جلال الدین محمد مچھلی شیری جونپوری وغیرہ کہا جاتا ہے کہ حصۂ اول آپ ہی کا تالیف کردہ ہے۔

عالمگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقصد یہ تھا کہ اس میں مفتی بہ اقوال جمع کئے جائیں لیکن یہ معاملہ بہت دشوار تھا۔ بالآخر اس میں ہر درجہ کی کتب سے مسائل اخذ کئے گئے اور جو مسئلہ جس کتاب سے اخذ کیا گیا اسی جگہ تصریح کے ساتھ اس کا نام بھی بتلا دیا گیا۔

یہ کتاب چھ جلدوں پر مشتمل اور فتاوی ہندیہ کے نام سے مشہور ہے۔ علماء ہند و عرب، فقہاء روم و شام اکثر اسی سے فتاوی لکھتے ہیں۔ دوسری کوئی فتاوی کی کتاب ایسی اپنے موضوع کو جامع اور حاوی نہیں۔ اس کے ماٰخذ کے متعلق علامہ عبدالاول جونپوری علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

اس میں باستقرائے راقم الحروف مسائل منقولہ مندرجہ ذیل کتابوں سے لئے

گئے ہیں۔(۱)شرح وقایہ (۲)قدوری (۳)کافی (۴)ھدایہ (۵)منیۃ المصلی (۶)شرح الطحاوی (۷)فتح القدیر (۸)محیط برھانی (۹) محیط سرخسی(۱۰)جامع صغیر (۱۱)شرح جامع صغیر حصیری (۱۲)مبسوط (۱۳)منتقیٰ(۱۴)ظھیریہ (۱۵)خلاصہ (۱۶)مضمرات (۱۷) فتاوی قاضیخاں (۱۸)بحر الرائق (۱۹)ذخیرہ (۲۰)تاتار خانیہ (۲۱) تبیین الحقائق (۲۲)مختارات النوازل (۲۳) تمرتاشی (۲۴) معراج الدرایہ (۲۵)السراج الوھاج (۲۶)برجندی (۲۷)شرح النقایہ لابی المکارم (۲۸)فتاوی برھانیہ (۲۹)جوھرہ نیرہ (۳۰)نھایہ (۳۱) کفایہ (۳۲)بدائع (۳۳)غایۃ السروجی (۳۴)اختیار (۳۵)شرح مختار (۳۶) فصول عمادیہ (۳۷)تھذیب (۳۸)وجیز کردری بزازیہ (۳۹) جواھر الاطی (۴۰)غایۃالبیان (۴۱)حاوی القدسی (۴۲)فتاوی الصغری (۴۳) فتاوی الکبری (۴۴)خزانۃ الفتاوی(۴۵)مختارالفتاوی (۴۶)فتاوی سراجیہ (۴۷)التجنیس والمجید (۴۸)فتاوی غیاثیہ (۴۹)فتاوی عتابیۃ (۵۰)خزانۃالمفتیین (۵۱)نھرالفائق (۵۲) کنز الدقائق (۵۳)عینی شرح کنز (۵۴)قنیہ (۵۵)تنویر شرح جامع کبیر (۵۶)فتاوی نسفیہ (۵۷) خزانۃ الفقہ(۵۸)ملتقط(۵۹)شرح جا مع صغیر قاضیخاں (۶۰)ینابیع (۶۱)نقایہ (۶۲)عنایہ (۶۳)ایضاح (۶۴) شرح مجمع البحرین(۶۵) شرح منیۃ حلبی (۶۶)الزاد (۶۷)شرح مبسوط سرخسی(۶۸) شرح منیہ ابن امیر حاج (۶۹) فتاوی آھو وغیرہ۔(فقہ اسلامی ص:۲۶۳،۲۶۴)

فتاوی عالم گیری المعروف بالفتاوی الهندیه مع خانیه وبزازیه مطبوعه زکریا بکڈپو دیو بند سہارنپور

المجلدالثالث

المجلدالرابع

المجلدالخامس

المجلدالسادس

صاحب فتاوی قاضی خاں

فتاوی قاضی خاں کو فتاوی خانیہ بھی کہتے ہیں کہ جس کو امام فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی فرغانی حنفی علیہ الرحمہ نے تصنیف فرمایا۔آپ کی تصحیح دیگر فقہا کی تصحیح پر مقدم ہوتی ہے۔آپ فقیہ النفس تھےاور آپ کا شمار مجتہدین فی المسائل فقہائے کرام سے ہوتا ہے۔

آپ کی یہ کتاب نہایت مقبول ومعتبر،متداول اور مفتیوں کے پیش نظر رہنے والی کتاب ہے۔علماوفقہا کے نزدیک اس کے مسائل کا بڑا اعتبار ہےاس میں بہت سے

کثیر الوقوع مسائل کو بیان کردیا گیا ہے کہ جن کی کثرت سے احتیاج ہوتی ہے۔اوراس کی ترتیب بھی نہایت ہی عمدہ ہے۔اور ایک خوبی یہ ہے کہ جس مسأ لہ میں متأخرین کے بہت سے اقوال ہوتے ہیں تو صاحب قاضی خاں وہاں پر صرف ایک یا دو اقوال کو ہی ذکر کرتے ہیں۔

شمس الائمہ سرخسی سے آپ کا سلسۂ تلمذ ہے۔کیونکہ آپ کے استاذ ظہیر الدین حسن بن علی مرغینانی ہیں۔جنہوں نے برہان الدین کبیر عبدالعزیز بن عمر بن مازہ اور محمد بن عبدالعزیز سے اوران دونوں نے شمس الائمہ سرخسی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔آخر میں یہ سلسلہ حضرت امام محمد رضی اللہ تعالی عنہ سے مل جاتا ہے۔آپ کا انتقال ۱۵؍رمضان المبارک دوشنبہ کی شب (۵۹۲ھ) میں ہوا۔

فتاوی قاضی خاں مع عالم گیری وبزازیة مطبوعة زکریا بکڈپو دیوبند سهارنفور

المحتویات	ازصفحه	تاصفحه

المجلدالأول

صاحب فتاوی بزازیہ

نام ونسب: ۔آپ کا نام محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف کردری بریقینی خوارزمی ہے۔ علوم وفنون میں یکتائے روزگار تھے، آپ بلاد روم تشریف لے گئے اور وہاں شمس الدین غفاری سے مباحثہ کیا۔اور روم میں داخل ہونے سے پہلے ایک گراں قدر کتاب ''الوجیز'' لکھی کہ جس کو فتاوی بزازیہ کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔اور اس زمانہ میں وہ فتاوی عالمگیری کے حاشیہ پر مطبوع ہے۔یہ ایک جامع کتاب ہے کہ جس میں چنندہ مسائل فتاوی اور واقعات کی بہت سی کتابوں سے جمع کئے ہیں۔مصنف علیہ الرحمہ نے اس کا نام جامع الوجیز رکھا ہے فتاوی کی یہ عظیم کتاب (۸۱۲ھ) میں مکمل ہوئی۔علماء کرام نے اس کے معتبر ومعتمد ہونے پر اتفاق کیا ہے۔حضرت مفتی ابوالسعود مفسر فقیہ رومی علیہ الرحمہ کی یہ شہادت اس کے معتبر ومستند ہونے کے لئے کافی ہے چنانچہ صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں:

''قیل لأبی سعود المفتی لم لم تجمع المسائل المهمة ولم تولف فیها کتاباً قال انا أستحی من صاحب البزازیة مع وجود کتابه لانه مجموعة شریفة جامعة للمهمات کما ینبغی'' (التعلیقات السنیة علی الفوائد البهیة ص: ۱۵۲ للعلامة عبدالحی الفرنجی المحلی اللکنوی)۔ابوسعود مفتی سے کہا گیا کہ آپ اہم مسائل کو کیوں نہیں یکجا کر دیتے اور ان میں کوئی کتاب تالیف کر دیتے تو انھوں نے کہا کہ مجھے صاحب بزازیہ کی کتاب ''الوجیز'' کے موجود ہوتے ہوئے آپ کی علمی وجاہت اور عبقریت کے سامنے شرم وحیاء آتی ہے اس لئے کہ وہ ایسا حسین ودلکش مجموعہ

ہے جوتمام اہم مسائل کو جامع ہے۔

فتاوی بزازیه مع عالم گیری وخانیة مطبوعة زكريا

بکڈپو دیوبند سهارنفور

المجلدالسادس و الجزء الثالث

فتح القدير مطبوعة زكريا بكڈپو ديو بند سهارنفور

المحتويات	ازصفحه	تا صفحه

المجلدالأول

المجلدالثانى

المجلدالثالث

المجلدالرابع

المجلدالخامس

المجلدالسادس

المجلدالسابع

المجلدالثامن

المجلدالتاسع

الجوهرةالنيرةعلى مختصر القدوری مطبوعة دارالكتاب

ديوبند سهارنفور

المجلدالثانی

بحر الرائق مطبوعة زکریه بکڈپو دیوبند سہارنپور

المجلد الأول

المجلد الثانی

المجلد الثالث

المجلد الرابع

المجلد الخامس

المجلد السادس

المجلدالسابع

صاحب فتاویٰ تاتارخانیہ

یہ ایک ضخیم فتاویٰ کی کتاب ہے جو موجودہ ایڈیشن کے مطابق بیس (۲۰) جلدوں پر مشتمل ہے اس کو شیخ فریدالدین علم بن علاء اندرپتی دھلوی متوفی (۶۸۶ھ) نے امیر تاتارخاں کے حکم سے تصنیف فرمایا۔ امیر تاتارخاں بادشاہ "فیروز شاہ تغلق" کے وزیر خاص اور فوج کے سپہ سالار تھے انھوں نے شیخ فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ سے خواہش ظاہر کی کہ وہ ایک کتاب ترتیب دیں جو مسائل فقہیہ حنفیہ کو جامع ہو۔ اس کے لئے امیر تاتار

خاں نے امہات کتب کو جمع کیا جن کی احتیاج فقہ حنفی کے مصادر میں ہوتی ہے۔

اس کتاب کی تکمیل (۷۷۷ھ) میں امیر تا تارخاں کے وفات کے بعد ہوئی

اس کتاب کو شہرت فتاویٰ تا تارخانیہ کے نام سے حاصل ہوئی کیونکہ اس کی امیر تا تارخاں کے نام سے ہی ہوئی اور انھوں نے ہی اس کے لئے وسائل کو مہیا کیا۔

فتاوى تاتارخانية مطبوعة زكرياديوبند سهارنفور

المحتويات	از صفحه	تا صفحه
المجلدالأول		
١. كتاب الطهارة	١٩٦	ختم المجلدالأول
المجلدالثانى		
٢. كتاب الصلوٰة	ابتداء	ختم المجلدالثانى
المجلدالثالث		
٣. كتاب الجنائز	ابتداء	١١٢
٤. كتاب السجدات	١١٣	١٣٣
٥. كتاب الزكوٰة	١٣٣	٢٧٣
٦. كتاب العشر	٢٧٤	٢٩٣
٧. كتاب الخراج	٢٩٤	٣٤٢
٨. كتاب المعادن والركاز والكنوز	٣٤٣	٣٤٩

المجلدالرابع

المجلدالخامس

المجلدالسادس

المجلد السابع

المجلد الثامن

المجلد التاسع

المجلد العاشر

المجلدالحادی عشر

المجلدالثانی عشر

المجلدالثالث عشر

المجلدالرابع عشر

المجلدالخامس عشر

المجلدالسادس عشر

المجلدالسابع عشر

المجلدالثامن عشر

المجلدالتاسع عشر

المجلدالعشرون

صاحب نورالایضاح، مراقی الفلاح شرح نورالایضاح

نام ونسب:۔ آپ کا نام حسن، کنیت ابوالاخلاص اور ولدیت عمار اور جدامجد کا نام علی شرنبلالی تھا۔ آپ ۹۹۴ھ میں مصر کے ایک قصبہ شبرا بلولہ میں پیدا ہوئے۔ نسبت غیر قیاسی کے اعتبار سے شبرابلولی کے بجائے شرنبلالی کہلاتے ہیں۔ جب آپ کی عمر سات سال ہوگئی تب آپ والد محترم کے ساتھ اپنے آبائی وطن سے قاہرہ منتقل ہوئے۔ قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد علوم دینیہ کی تحصیل میں مصروف ہوگئے۔ اور شیخ محمود حموی، شیخ عبدالرحمٰن مسیری، عبداللہ نحریری، محمد محبی، علی بن غانم مقدسی وغیرہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

علمی یادگاریں:۔ آپ تحصیل علم کے بعد جامعہ ازہر مصر قاہرہ میں مسند تدریس پر فائز ہوئے۔ اور قاہرہ میں آپ نے قبولیت عوام وخواص کا درجہ حاصل کرلیا۔ آپ کو فقہ میں ملکہ، نصوص شرعیہ کی معرفت حاصل تھی، اور تحریر وتصنیف میں یکتائے روزگار تھے۔ جس کی وجہ سے متأخرین میں نہایت ہی عمدہ شخصیت شمار ہوتے تھے۔ آپ سے کسب فیض کرنے والوں میں علامہ احمد عجمی، سید السند احمد بن محمد حموی، علامہ اسماعیل نابلسی وغیرہ۔

آپ نے تصنیف وتالیف میں بھی حد درجہ نمایاں کارنامہ انجام دیا مخطوطات کے علاوہ جو کتب زیور طبع سے آراستہ وپیراستہ ہوچکی ہیں وہ یہ ہیں: (۱) نورالایضاح (۲) مراقی السعادت (۳) غنیہ ذوی الاحکام حاشیہ دررالحکام (۴) مراقی الفلاح شرح نورالایضاح (۵) شرح منظومۃ ابن وھبان (۶) تحفۃ الاکمل (۷)

التحقیقات القدسیه (۸)العقد الفرید فی التقلید (۹)رسائل شرنبلالی ۔آپ کے چھوٹے بڑے رسائل کی تعداد تقریباً ۴۸ ہے۔(تذکرۃ المصنفین ص: ۹۲)

۱۱؍رمضان المبارک ۱۰۶۹ھ کو فقہ دانش کا چمکتا دمکتا سورج غروب ہوگیا۔

نور الایضاح مطبوعة المجمع الاسلامی الجامعة الاشرفیة مبارکفور اعظم جره

حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح مطبوعة دارالکتاب دیوبند سهارنفور

صاحب بدائع الصنائع

یہ ملک العلما علاء الدین. ابو بکر بن مسعود بن احمد کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کردہ کتاب ہے۔ جو کہ امام علاء الدین محمد سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تحفۃ الفقہا کی شرح ہے۔ ۵۸۷ھ میں جب یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہونچی تو مصنف علیہ الرحمہ نے اپنی اس کتاب کو ماتن امام علاء الدین محمد سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا۔

بدائع الصنائع مطبوعة مكتبة زكريا ديوبند سهارنفور

المجلد الثالث

المجلد الرابع

المجلد الخامس

المجلد السادس

مجمع البحرین وملتقی النیرین مطبوعة دارالکتب العلمیة بیروت لبنان

كتاب المبسوط مطبوعة دارالكتب العلمية بيروت لبنان

الجزء العاشر

المجلدالسادس و الجزء الحادى عشر

الجزء الثانى عشر

المجلدالسابع و الجزء الثالث عشر

الجزء الرابع عشر

المجلدالثامن و الجزء الخامس عشر

الجزء السادس عشر

المجلدالتاسع و الجزء السابع عشر

الجزء الثامن عشر

المجلدالعاشر و الجزء التاسع عشر

كتاب الوكالة	ابتداء	۱۹۴
كتاب الكفالة	۱۹۴	ختم الجزء التاسع عشر

الجزء العشرون

بقيةمن مسائل الكفالة	ابتداء	۱۴۶
كتاب الصلح	۱۴۶	ختم الجزء العشرين

المجلدالحادى عشر و الجزء الحادى و العشرين

بقيةمن مسائل الصلح	ابتداء	۵۸
كتاب الرهن	۵۸	ختم الجزء الحادى والعشرون

الجزء الثانى و العشرون

بقيةمن مسائل الرهن	ابتداء	ختم الجزء الثانى و العشرين

المجلدالثانى عشر و الجزء الثالث و العشرون

كتاب المزارعة	ابتداء	۱۵۲
كتاب الشرب	۱۵۳	ختم الجزء الثالث و العشرين

الجزء الرابع و العشرون

كتاب الأشربة	ابتداء	۴۶
كتاب الاكراه	۴۶	۱۷۷
كتاب الحجر	۱۷۷	ختم الجزء الرابع و العشرين

المجلدالثالث عشر و الجزء الخامس و العشرون

كتاب المأذون الكبير	ابتداء	ختم الجزء الخامس و العشرين

الجزء السادس و العشرون

المجلدالرابع عشر و الجزء السابع و العشرون

الجزء الثامن و العشرون

المجلدالخامس عشر و الجزء التاسع و العشرون

الجزء الثلٰثون

صاحب فتاویٰ والوالجیہ

امام ابوالفتاح ظہرالدین عبدالرشید بن ابی حنیفہ بن عبدالرزاق والوالجی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے (والوالجی یہ والوالج کی طرف منسوب ہے جو کہ بدخشان کا ایک شہر ہے) آپ کی ولادت باسعادت (۴۶۷ھ) کو والوالج میں ہوئی اور (۵۴۰ھ) کو وصال فرمایا۔ (الفوائد البہیۃ جلد اول ص ۱۲۱، الاعلام جلد اول ص ۴۹۷) اور صاحب کشف الظنون نے مصنف کا نام ظہیرالدین ابوالمکارم اسحٰق بن ابوبکر حنفی متوفی (۷۱۰ھ) ذکر کیا ہے (کشف الظنون جلد دوم ص ۲۲۰) شیخ لکھنوی علیہ الرحمہ نے فوائد بہیہ میں اس قول کی تردید کر کے قول اول کو ترجیح دی ہے (فوائد بہیہ ص ۱۲۱)

صاحب والوالجیہ اپنے وقت کے امام و فاضل اور فقہ میں کامل بصیرت رکھتے تھے مصنف نے اس کتاب کو متہم بالشان مسائل صدر شہید کی کتاب الجامع لنوازل الاحکام کے مسائل کی تفصیل کر کے بہت سے واقعات مہمہ اور قواعد وفوائد بھی شامل کئے تا کہ یہ کتاب مسائل وقواعد فقہیہ کو جامع ہو جائے (فقہ اسلامی ۲۵۷)

الفتاوى الولوالجية

المجلد الثالث

المجلد الرابع

المجلد الخامس

صاحب فتاوی رضویہ

نام ونسب:۔ آپ کا پیدائشی نام ''محمد'' اور تاریخی نام ''المختار'' (۱۲۷۲ھ) ہے۔ جد امجد حضرت مولانا رضا علی خاں علیہ الرحمہ آپ کو ''احمد رضا خاں'' کہتے تھے۔ لیکن خود محدث بریلوی قدس سرہٗ بڑے فخریہ انداز میں ''عبدالمصطفی احمد رضا خاں'' لکھا کرتے تھے۔ (ماخوذ از. اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام ص:۵۶)

آپ کا نسب اس طرح ہے ''اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بن حضرت مولانا نقی علی خاں، بن مولانا رضا علی خاں، بن حضرت محمد سعادت یار خاں، بن حضرت محمد سعید اللہ خاں رحمۃاللہ تعالیٰ علیھم اجمعین'' (سوانح اعلیٰ حضرت ص:۸۵)

ولادت باسعادت:۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ کی ولادت ۱۰/شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴/جون ۱۸۵۶ء کو ظہر کے وقت محلّہ جسولی بریلی شریف میں ہوئی۔ خود اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ولادت کا سن ہجری اس آیت مبارکہ سے نکالا ہے:

''اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡاِیۡمَانَ وَاَیَّدَہُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ'' (پ ۲۸ آیت ۲۲)

______ ۱۲ ______ ۷۲ھ ______ یعنی یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی۔ (ترجمۂ کنزالایمان) (سوانح اعلیٰ حضرت ص:۸۶)

تعلیم وتربیت:۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریب کے وقت

ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا'' آپ کے استاذ محترم نے حسب دستور بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم کے بعد الف، ب، ت، وغیرہ حروف تہجی آپ کو پڑھانا شروع کیا۔استاذ کے بتانے کے مطابق آپ پڑھتے گئے جب ''لا'' (لام الف) کی نوبت آئی استاذ نے فرمایا کہو ''لام الف'' تو اعلیٰ حضرت خاموش ہو گئے اور ''لام الف'' نہیں پڑھا استاذ نے دوبارہ کہا میاں صاحبزادے! کہو ''لام الف'' حضور نے فرمایا یہ دونوں حروف تو میں پڑھ چکا ہوں۔الف بھی پڑھا اور لام بھی پڑھ چکا ہوں۔اب دوبارہ کیوں پڑھایا جارہا ہے؟ محفل بسم اللہ خوانی میں جدامجد حضرت مولانا شاہ رضا علی خاں قدس سرہٗ العزیز موجود تھے فرمایا بیٹا! استاذ کا کہا مانو جو کہتے ہیں پڑھو۔اعلیٰ حضرت نے حکم کی تعمیل کی پھر آپ کے جدامجد نے فرمایا بیٹا شروع میں سب سے پہلا حرف جو تم نے پڑھا ہے وہ حقیقت میں ہمزہ ہے الف نہیں اب لام کے ساتھ ملا کر جو حرف پڑھ رہے ہو وہ الف ہے لیکن چونکہ الف ہمیشہ ساکن رہتا ہے اور تنہا ساکن حرف کو کسی طرح پڑھا نہیں جاسکتا اس لئے لام کو الف سے ملا کر اس کا بھی تلفظ کرادیا گیا۔آپ نے فرمایا کہ اسے کسی بھی حرف کے ساتھ ملا سکتے تھے لام کے ساتھ الف ملا کر ادائیگی کرائی گئی اس کی کیا وجہ ہے؟ جد امجد نے دعائیں دیتے ہوئے فرمایا بیٹا لام اور الف کے درمیان صورۃً اور سیرۃً بڑا گہرا تعلق ہے۔لکھنے میں دونوں کی صورت اور شکل ایک دوسرے کی طرح ہے دیکھو ''لا'' اور سیرۃً یوں تعلق ہے کہ لام کا قلب الف ہے اور الف کا قلب لام ہے۔یعنی ''ل، ا، م'' کے بیچ میں الف اور الف کے بیچ میں لام ہے۔ (ملخصاً حیات اعلیٰ حضرت جلد اول ص:۳۳)

بسم اللہ خوانی کے بعد آپ نے چار سال کی عمر میں قرآن کریم کا ناظرہ مکمل کر

لیا۔ چھ سال کی عمر میں ماہ مبارک ربیع الاول شریف کی تقریب میں منبر پر رونق افروز ہو کر بہت بڑے مجمع کی موجودگی میں ذکر میلاد شریف پڑھا۔ اردو فارسی کی کتابیں پڑھنے کے بعد حضرت مرزا غلام قادر بیگ علیہ الرحمہ سے میزان و منشعب وغیرہ کی تعلیم حاصل کی پھر آپ نے اپنے والد ماجد تاج العلماء سند المحققین حضرت مولانا شاہ نقی علی خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مندرجۂ ذیل اکیس علوم پڑھے: (۱) علم قرآن (۲) علم تفسیر (۳) علم حدیث (۴) علم اصول حدیث (۵) کتب فقہ حنفی (۶) کتب فقہ شافعی و مالکی و حنبلی (۷) اصول فقہ (۸) جدل مہذب (۹) علم العقائد والکلام (۱۰) علم نحو (۱۱) علم صرف (۱۲) علم معانی (۱۳) علم بیان (۱۴) علم بدیع (۱۵) علم منطق (۱۶) علم مناظرہ (۱۷) علم فلسفہ مدلسہ (۱۸) ابتدائی علم تکسیر (۱۹) ابتدائی علم ہیئت (۲۰) علم حساب تا جمع، تفریق، ضرب، تقسیم (۲۱) ابتدائی علم ہندسہ۔

تیرہ برس دس مہینے پانچ دن کی عمر میں ۱۴؍شعبان ۱۲۸۶ھ کو فارغ التحصیل ہوئے اور دستار فضیلت سے نوازے گئے۔ اسی دن مسئلۂ رضاعت سے متعلق ایک فتوی لکھ کر اپنے والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا جواب بالکل صحیح تھا۔ والد ماجد نے ذہن نقاد طبع وقار دیکھ کر اسی وقت سے فتوی نویسی کی جلیل الشان خدمت آپ کے سپرد کر دی۔

(ملخصا ماخوذ از سوانح اعلیٰ حضرت ص: ۹۰، ۹۱)

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالی عنہ نے پچاس سے زائد علوم و فنون پر مشتمل کثیر کتابیں تصنیف فرمائیں۔

وفات:۔ ۲۵؍صفر المظفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۸؍ ۱۹۲۱ء کو جمعۂ مبارکہ کے دن دو بجکر ۳۸؍منٹ پر عین اذان جمعہ میں اُدھر "حیّ علی الفلاح" کی پکار سنی ادھر روح مبارکہ

نے ”داعی اِلی اللہ “کولبیک کہا۔اورآسمان علم وفن کا سورج غروب ہوگیا۔

فتاویٰ رضویۃ مطبوعۃ رضااکیڈمی ممبئی

المجلدالأوّل

المحتویات:.طہارت، نماز، احکام مسجد، جنائز، زکوٰۃ، روزہ، حج، نکاح، طلاق، عتق، قسم، حدود، سیر، شرکت، وقف، بیع، شہادت، وکالت، دعویٰ، ہبۃ، اجارۃ، ہجر، غصب، قسمت، شکار، ذبیحہ، قربانی ، حظرواباحت، احیاء موات، شراب، دیت، وصی، فرائض، فوائدفقھیہ، رسم مفتی، عقائد، مسائل کلامیہ ، ردِبدمذھباں، فوائد حدیثیہ، اسماء الرجال، فضائل ومناقب، فوائداصولیہ، طبعیات، ھندسہ، ریاضی، متفرقات.

کتا ب الطھارۃ

المجلدالثانی

المحتویات:.طهارت،بیان الماء، نجاست، صلوٰة، اوقات، اذان واقامت، تقبیل الابهامین.

كتاب الطهارة

المجلدالثالث

كتاب الصلوٰة

المجلدالرابع

المحتویات: جنازۃ ،دعوت میت ، مزارات پر روشنی ، زیارت قبور ، فاتحة ، زکوٰۃ ، صوم ، کفارۃ ، فدیة .

كتاب الصلوٰة

كتاب الزكوٰة

كتاب الصوم

كتاب الحج

المجلدالخامس

المحتويا ت: نكاح ، معاشرة ، قسم ، طلاق ، عدت ، پرورش ، نفقة ،أيـمـان ، نـذر ، حـدودوتعزير ، مسائل ضمنية، صلوٰة ، حيض ، جنائز ، صـوم ، حـج ، نـكـاح ، مـحرمات ، رضاع ، ولايت، كفايت، مهر، قسم طـلاق، رجـعـت، خـلع، ظهار، لعان، عنين، عدت، ثبوت، نسب، عتاق، يـمـيـن، سير، شـركـت، وقف، بيـوع، قرض، كفالت، قضاء،افتاء رسم الـمـفـتـى، شهـادت، وكـالـت، دعوى، اقراروصلح، امانت، عارية، هبة، اجـارـة، ولاء، اكـراه، هـجـر،غـصـب، ضـمان، تقسيم مزارعت، ذبح، حـظـروابـاحـت، أشـربـه، رهـن، متـفرق، فرائض، عقائد، تفسير، فوائد حديثية، فوائد فقهية، فضائل ومناقب، تاريخ، هيئت، ردّوهابية.

كتاب النكاح ص: ۸۹

کتاب الأيمان ص: ۹۳۰

المجلدالسادس

المجلدالسابع

المجلد الثامن

المجلد التاسع

كتاب الحظر والاباحة

المحتویات: اعتقادیات،شرب وطعام،ظروف. زیور،لباس، دیکھنا. چھونا،سلام وغیرہ،داڑھی،ختنہ، حجامت،زینت، کسب،علم وتعلیم، لھوولعب، امربالمعروف ونھی عن المنکر،مرض،تداوی،آداب، صحبت،موالات،جھوٹ،غیبت،ظلم ایذاء مسلم،بغض وتکبر،سلوک، حقوق، ایصاثواب،صدقة، سوال،مجالس، ذکرودعاء وتلاوت، نوحہ، جزع وفزع،تعزیہ اور اس سے متعلق بدعات، رسم ورواج، بدعت واسراف،تشبہ بالغیروشعارکفار، تصویر، نماز طھارت وغیرہ،نکاح وطلاق،جانوروں کا پالنا،لڑانا ان پر رحم وظلم، آثار مقدسہ سے تبرک وتوسل،متفرقات،دیگرمتفرقات

المجلد العاشر

المجلدالحادى عشر

المحتويات	تا صفحه	از صفحه

المجلد الثانی عشر

صاحب بہارشریعت

نام ونسب:۔ نام محمد امجد علی بن حکیم جمال الدین بن شیخ خدا بخش بن خیر الدین اعظمی۔آپ ہندوستان کے قصبہ گھوسی ضلع مئو/ اعظم گڑھ میں ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۸ء کو ایک علمی اور دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے بھائی محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاصل کی، اس کے بعد دیگر علمی شخصیتوں کی صحبت میں رہکر علوم دینیہ وفنون ادبیہ کی تحصیل جاری رکھی۔

اساتذہ:۔ آپ نے جن اساتذہ سے اپنی علمی پیاس بجھائی ان میں حضرت علامہ ہدایت اللہ رامپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، جو کہ جون پور میں مسند تدریس پر فائض تھے۔ان سے آپ نے فنون عقلیہ منطق وفلسفہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔آپ گھوسی سے جون پور پیدل ہی جایا کرتے تھے، جب کہ جون پور آپ کے وطن سے پچاس میل سے زیادہ کی دوری پر تھا۔آپ شوال المکرّم میں جاکر شعبان المعظم کی چھٹیوں میں ہی مدرسہ سے گھر واپس آیا کرتے تھے گویا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ کا عملی نمونہ تھے کہ جس میں آپ نے ارشاد فرمایا ’’**اطلبوا العلم ولو کان بالصین**‘‘ یعنی علم

حاصل کرو اگرچہ چین ہی میں کیوں نہ ہو۔

حضرت شیخ وصی احمد محدث سورتی ثم پیلی بھیتی رحمۃ اللہ، جوکہ ہندوستان میں اپنے زمانہ کے امیرالمومنین فی الحدیث شمار کیئے جاتے تھے۔ان سے آپ نے مختلف علوم فنون میں خصوصاً حدیث وفقہ میں مہارت حاصل کی۔

اوراعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدداعظم امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کہ جن سے آپ نے باقاعدہ تلمذ تو حاصل نہیں کیا لیکن ان کی بارگاہ میں رہ کر طویل عرصہ تک خدمت علمی ودینی میں مصروف رہے، اور امام اہل سنت کی خدمات دینیہ وعلمیہ معاونت کرتے رہے، مثلاً فتاوی کا املاء اور ترجمۂ قرآن جوکہ کنزالایمان کے نام سے مشہور ہے اور دیگر کتب کی طباعت وغیرہ آپ کے ذریعہ ہی عمل میں آئی۔اسکے علاوہ آپ کئی مدارس میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائض ہوکر تشنگان علوم کو سیراب کرتے رہے۔

آپ کے چند مشہور تلامذہ:۔ حافظ ملت جلالۃ العلم شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ، محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ شیخ سرداراحمد محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد ملت حضرت علامہ مفتی حشمت علی خاں لکھنوی ثم پیلی بھیتی رحمۃ اللہ علیہ، سیدالعلماء حضرت علامہ سید آل مصطفیٰ مارہروی رحمۃ اللہ علیہ، شمس العلماء حضرت علامہ قاضی شمس الدین جونپوری رحمۃ اللہ علیہ اور امام النحو حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔

تصانیف:۔ آپ نے فقہ وفتاوی میں کئی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ان میں سے فقہ

میں ۱۷/ اجزاء و حصص پر مشتمل اردو زبان کی واحد کتاب ''بہار شریعت'' جو کہ باب الجنایات، قصاص، دیت، مسائل وصیت ووراثت کے علاوہ تمام ابواب فقہ حنفی پر مشتمل ہے۔اوراب مذکورہ ابواب کو بھی شامل اشاعت کردیا گیا ہے۔

فتاوی امجدیہ جو کہ آپ کے ان فتاوی کا مجموعہ ہے کہ جو علماء وعوام نے آپ سے سوالات کئے آپ نے ان کے بالتفصیل جوابات عنایت فرمائے۔یہ مجموعۂ فتاوی ضخیم چار جلدوں پر مشتمل ہے۔

اور ایک رسالہ '' قنوت النوازل '' دعاءقنوت کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے تحریر فرمایا جو کہ کثیر فقہی دلائل پر مشتمل ہے۔

''کشف الاستار حاشیة شرح معانی الآثار'' کہ جس میں آپ نے مغلق مقامات کی تشریح، رجال حدیث کے احوال، مسائل کی توضیح، دلائل کی تنقیح اور فریق اول ثانی وغیرہ کی تعیین فرمائی ہے۔

وفات:۔ جب آپ ایک مرتبہ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہو گئے تو وطن واپسی پر شوق واشتیاق میں مزید اضافہ ہو گیا۔اسی مقصد کی بجا آوری کے لئے آپ نے دوبارہ رخت سفر باندھا اور ممبئی پہونچ گئے اور وہاں سے آگے کا سفر طے کرنے کے لئے کشتی پر سوار ہوئے اور کشتی پر ہی ۲/ ذی القعدہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۶/ ستمبر کو آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔(ملخصا ماخوذاز. مقدمۂ کشف الاستار حاشیة شرح معانی الآثار جلد اول ص؛ ۱۲، ۱۳، ۱۴)

بہارشریعت مطبوعہ فرید بکڈ پو دہلی

جلد اول

جلد دوم

جلدسوم

مسائل حظر واباحت، اعتبار خبر، سلام، آداب مسجد، قبلہ، بحر قطع، مسابقت، کسب، زیارت قبور، ایصال ثواب	شانزدہم
مسائل تحری، شراب، شکار، رہن	ہفدہم
مسائل جنایات، قصاص، دیت	ہیزدہم
مسائل وصیت	نہدہم
مسائل وراثت	بستم

نوٹ:۔ بہار شریعت چار جلدوں والی میں جلد اول میں از اول تا حصہ پانچ تک جلد دوم میں از ٦ تا ١٠ جلد سوم میں از ١١ تا ١٤ اور جلد چہارم میں از ١٥ تا ٢٠ حصہ ہیں لیکن جو تین جلدوں میں فرید بکڈ پو دہلی سے چھپی ہے اس کی جلد اول میں ١٠ حصہ اور جلد ثانی وثالث میں پانچ پانچ حصہ ہیں۔

مآخذ ومراجع

نام کتاب	مصنف	سن وفات ہجری
قرآن کریم	منزل من اللہ تعالیٰ	
کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن	اعلیٰ حضرت امام اہلسنت بریلوی	١٣٤٠
خزائن العرفان	علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی	
صحیح بخاری	امام محمد بن اسمٰعیل بخاری	٢٥٢

صحیح مسلم	امام مسلم بن حجاج قشیری		۲۶۱
سنن نسائی	امام احمد بن شعیب نسائی		۳۰۳
سنن دار قطنی	امام علی بن عمر دار قطنی		۳۸۵
ترمذی	امام محمد بن عیسی ترمذی		۲۷۹
سنن کبری للبیہقی	علامہ ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی		۲۷۳
سنن دارمی	علامہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی		۲۵۵
مشکوۃ	علامہ شیخ ولی الدین عراقی		۷۴۲
مسند احمد بن حنبل	امام احمد بن حنبل		۲۴۱
طبرانی			
کشف الاستار	صدر الشریعہ اعظمی	۱۳۶۷	
مرقات	ملا علی قاری	۱۰۱۴	
کتاب المبسوط	شمس الائمہ سرخسی	۴۸۳	
فتاوی والوالجیہ	علامہ عبدالرشید والوالجی		۵۴۰
فتاوی شامی	علامہ ابن عابدین شامی		۱۵۲
فتاوی تاتارخانیہ	علامہ ابن علاء اندرپتی دہلوی		۷۸۶
فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد (ابن ہمام)		۸۶۱
فتاوی عالمگیری	بحکم اورنگ زیب عالمگیر		
فتاوی قاضی خاں	حسن بن منصور قاضی خاں		۵۹۲
فتاوی بزازیہ	علامہ محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز		۸۲۷
بحر الرائق	علامہ ابن نجیم		۹۷۰

الجوہرۃ النیرۃ	علامہ ابوبکر بن علی بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
بدائع الصنائع	علامہ مسعود کاسانی	۵۸۷
مجمع البحرین		
ہدایہ	علی بن ابی بکر ابوالحسین مرغینانی	۵۹۳
مسلم الثبوت	علامہ محب اللہ بہاری	۱۱۱۹
جامع الاصول		
التوضیح لحل غوامض التنقیح		
حاشیہ طحطاوی	احمد بن محمد بن اسمعیل طحطاوی	۱۴۱۳
الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدینبن ابراہیم بن نجیم	۹۷۰
عقود رسم المفتی	علامہ عابدین شامی	۱۵۲
نورالایضاح	علامہ حسن بن عمار شرنبلالی	۱۰۶۹
فتاوی رضویہ	امام احمد رضا خاں محدث بریلوی	۱۳۴۰
بہار شریعت	علامہ صدر الشریعہ اعظمی	۱۳۶۷
کتاب التعریفات	علامہ سید شریف جرجانی	۸۱۶
احیاء العلوم	امام غزالی	۵۰۵
مناقب امام اعظم للموفق		
مناقب امام اعظم للکردری	علامہ ابن شہاب بزازی	۸۲۷
تاریخ بغداد للخطیب	امام احمد بن علی بغدادی	۴۶۳
تبییض الصحیفہ بمناقب ابی حنیفہ	امام جلال الدین سیوطی	۹۱۱
البدایہ والنہایہ		

کتاب	مصنف	سن
ابن حنبل حیاتہ وعصرہ آراءہ وفقہہ	شیخ محمد ابوزہرہ مصری	
شذرات الذہب		
تہذیب التہذیب		
حیات اعلیٰ حضرت	علامہ ظفرالدین بہاری	۱۳۸۲
سوانح اعلیٰ حضرت	علامہ بدرالدین قادری	